"اچھا چلو پھر اس پہ بات کریں گے" انہوں نے دل ہی دل میں کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے مصلحت سے کام لے کر نرم انداز میں بات چیت کا اختتام کرنا چاہا۔ دوسری طرف موجود معاذ نے سکون کی سانس لی اور انہیں اپنا خیال رکھنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ ملک جہانگیر اپنی سوچوں میں گم تھے۔ کافی دیر سے خاموشی طاری تھی۔

"بابا جان کیا بات ہے آپ خاموش کیوں ہیں۔ معاذ سے کیا بات ہوئی ہے؟" ایبک احترام میں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بول پڑا۔ ملک جہانگیر اس کی طرف دیکھ کر پھیکے انداز میں مسکرائے۔

"بس ایسے ہی اودھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا بول رہا تھا ابھی نہیں آسکتا۔" وہ خود پہ قابو پا کر نارمل انداز میں بولے۔ ایبک کو کچھ کچھ اندازہ تھا کہ اصل بات کیا ہے کیونکہ معاذ کی آواز فون سے باہر تک آرہی تھی مگر بابا جان اسے ٹال گئے تھے۔ کچھ دیر بعد انہیں سونے کا کہہ کر باہر نکلا تو سامنے ارسلان چچا کے پورشن کی طرف نظر اٹھ گئی۔ اندرونی اور بیرونی سب لائٹیں آن تھیں۔ وہ بلا ارادہ ان کے پورشن کی طرف بڑھا۔ یہ پہلو بہ پہلو ایک جیسے ڈیزائن اور طرز تعمیر کی حامل دو حویلیاں تھیں ایک میں ملک جہانگیر اور دوسری میں ملک ارسلان اپنی بیوی عنیزہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ دونوں عمارتیں دو منزلہ تھیں درمیان میں چند فٹ کا فاصلہ حائل تھا۔

ملک ایبک تھوڑی دیر بعد چچا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عنیزہ بھی جاگ رہی تھی۔ چچا سے حال احوال دریافت کرنے کے بعد ایبک خاموش ہو کر کچھ سوچنے میں مگن تھا۔ "کن خیالوں میں گم ہو ایبک؟"

عنیزہ چچی نے خاموشی کے طلسم کو توڑا تو وہ چونک کر مسکرایا۔ "ابھی سے حسین تصورات میں کھو گئے ہو جناب۔ جبکہ پہلے ہم نے معاذ کے لیے لڑکی دیکھنے جانا ہے۔" ارسلان چچا کا لہجہ شرارت سے بھرا ہوا تھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔

"تمہیں بھابھی نے بتایا تو ہوگا۔" عنیزہ چچی نے بات آگے بڑھائی ان کا اشارہ افشاں بیگم کی طرف تھا۔ ایبک انہیں بے چارگی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہیں اتنا تو پتا ہو گا کہ بھائی جان تمہاری اور معاذ کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ معاذ کے لیے تو انہوں نے لڑکی پسند کرلی ہے۔ جبکہ تمہارے لیے کوئی ان کی نظروں میں سما ہی نہیں رہی۔" آخر میں چچا ارسلان شرارت سے مسکرائے تو وہ بھی ہنس دیا۔

"چچا جان ابھی بابا جان کی معاذ سے بات ہوئی ہے وہ شاید شادی اور اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہے۔" ایبک نے محتاط الفاظ کا انتخاب کیا۔

"ہاں وہ شروع سے ہی اپنی پسند و ناپسند کے بارے میں بہت حساس ہے۔ اس کی یہ عادت ابھی تک نہیں بدلی ہے۔ زندگی کا ساتھی چننے کے معاملے میں بھی وہ بھائی کی پسند پہ اعتبار نہیں کرے گا۔" ارسلان نے صورت حال اور معاذ کے بارے میں درست ترین تجزیہ کیا تھا۔ ایبک اپنی الجھن کو دور کرنے ان کے پاس آیا تھا اور واقعی تھوڑی دیر بعد وہ سب فکریں ذہن سے جھٹک کر ان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ عنیزہ بہت غور سے اسے تکتے ہوئے دل ہی دل میں جانے کیا کچھ سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زیان کالج سے آکر کھانا کھا رہی تھی۔ رحمت بوا اس سے حسب عادت ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں وہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھی جب انہوں نے ایک سماعت شکن دھماکا کیا۔

"زیان بیٹا آج کل گھر میں تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔" بوا نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر کسی کے نہ ہونے کا یقین کر کے دبی دبی آواز میں یہ جملہ بولا۔ زیان اپنی جگہ سے کسی اسپرنگ کی طرح اچھلی۔ ہاتھ میں پکڑا روٹی کا نوالہ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"آپ کو کس نے کہا ایسا؟" ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس اس نے ٹیبل پہ پٹخنے کے انداز میں رکھا۔ بوا اس کے تیوروں سے سہم گئیں۔ بات ان کے منہ سے

نکل چکی تھی وہ اب پچھتا رہی تھیں کہ ناحق اس ذکر کو چھیڑا۔

"چھوٹی بیگم 'امیر میاں سے اس موضوع پہ بات کر رہی تھیں میں دودھ رکھنے ان کے کمرے میں گئی تو کچھ باتیں نہ چاہتے بھی میرے کان میں پڑ گئیں۔" انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟" زیان کا اشارہ زرینہ بیگم کی طرف تھا۔ اس نے دانت سختی سے ایک دوسرے پہ جما رکھے تھے۔

"یہی کہہ رہی تھیں کہ اب زیان کی شادی کی فکر کرنی چاہیے۔۔۔ ایک لحاظ سے وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ امیر میاں کے جیتے جی تمہیں اپنے گھر کا ہو جانا چاہیے یہاں ایک پل کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ پھر امیر میاں بھی تو فالج کے بعد بستر کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایسے میں چھوٹی بیگم کے سر پہ ہی ساری ذمہ داری ہے نا۔" زیان سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ بوا نے شکر کیا کہ اس نے شور نہیں کیا۔ ورنہ اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

زیان انہی قدموں چل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے شادی کے بارے میں کچھ سوچا نہیں تھا اور ابھی شادی کے نام پہ اس کے خیالات عجیب سے ہو رہے تھے۔ جن کو وہ کوئی بھی معنی پہنانے سے قاصر تھی۔ دبے دبے الفاظ میں پہلے بھی اس کی شادی کا تذکرہ ہوتا تھا مگر اب شاید سنجیدگی سے اس پہ غور و فکر ہو رہا تھا تب ہی تو بوا نے اسے بتایا تھا۔ ورنہ وہ اس کے ساتھ ایسی باتیں کم ہی کرتی تھیں۔

"لگتا ہے زرینہ آنٹی مجھے اس گھر سے بہت جلد رخصت کرانے کے چکر میں ہیں اس سے پہلے ہی مجھے اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جانا چاہیے تاکہ گھر والوں کی دست نگر بن کر زندگی نہ گزارنی پڑے۔" وہ بہت حساس ہو کر سوچ رہی تھی۔

امیر علی دو سال پہلے مفلوج ہونے کے بعد بستر کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے جسم کا دایاں حصہ سن تھا۔ مفلوج ہونے سے پہلے گھر پہ ان کی حکمرانی تھی۔

زرینہ بیگم اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھیں۔ امیر علی کے آنکھ کے اشارے تک کو سمجھ جاتیں پر اب وہ خود زرینہ بیگم کے اشارے پہ چلتے۔ زرینہ نے ان کے مفلوج ہونے کے بعد دل و جان سے ان کی خدمت کی ضروریات کا خیال رکھا' ہر طرح سے اپنا فرض ادا کیا اور کر بھی رہی تھیں بس اب بساط کے مہرے بدل گئے تھے۔ کوئی بھی کام ان کی مرضی کے بغیر سرانجام نہ پاتا۔ امیر علی کی بادشاہت ختم ہو گئی تھی۔

یہ زرینہ بیگم کی حکمرانی کا دور تھا اور وہ اس کے نشے میں چور تھیں۔ رابیل' مناہل اور آفاق تینوں ان کی طاقت تھے وہ ماں سے خائف ہونے کے علاوہ دبتے بھی تھے۔ انہوں نے گھر میں سختی دیکھی تھی پہلے باپ کی اور اب ماں کی۔

انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ حکمرانی کرنے والا کون ہے۔ بس چہرے بدل گئے تھے پہلے امیر علی اور اب زرینہ بیگم حاکم تھیں۔ زیان امیر علی کی سب سے بڑی اولاد تھی۔ اس کا معاملہ اپنے تینوں بہن بھائی سے مختلف تھا۔ زرینہ اسے کسی خاطر میں ہی نہ لاتی تھیں۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد زیان بھی بے حس ہو چکی تھی۔ وہ اندر سے باغی اور بے چین روح تھی۔ اپنی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ اس کے لب سلے تھے اور دل میں طوفان تھے۔ ان طوفانوں نے جانے کون کون سی تباہی ابھی لانی تھی۔ ابھی تک وہ حدود جاں میں ہی مقید تھے۔

☆ ☆ ☆

رنم دو دن سے کومل کی طرف تھی۔ وہ دونوں کمبائن اسٹڈی کر رہی تھیں۔ اشعر اور فراز بھی روز کچھ گھنٹوں کے لیے کومل کی طرف آ جاتے' تاکہ پڑھائی میں ان کی مدد کر سکیں۔ فراز خاص طور پہ اس سلسلے میں بہت مختلف تھا اپنے محنت سے بنائے گئے نوٹس تک ان کے حوالے کر دیے تھے۔

رنم پہ احمد سیال نے کہیں آنے جانے پہ کبھی کوئی

پابندی نہیں لگائی تھی ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک وہ اپنے فیصلے خود کرتی آئی تھی۔ وہ کسی بھی معاملے میں ان کے سامنے جواب دہ نہیں تھی۔ انہوں نے اسے ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی۔ ساتھ دنیا جہان کی ہر نعمت اس کے قدموں میں ڈھیر کردی تھی۔ کنزیٰ احمد سیال کی محبوب بیوی اور رنم اس بیوی کی محبوب ترین نشانی تھی۔

کنزیٰ سے ان کی شادی زوردار لو افیر کے بعد ہوئی۔ اسے پاکر وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کرتے تھے۔ پر ان کی یہ خوش قسمتی زیادہ عرصہ ان کے ساتھ نہیں رہ پائی۔ کنزیٰ' رنم کو جنم دینے کے صرف چار سال بعد کینسر جیسی موذی بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد چل بسی۔ انہوں نے بیوی کے علاج پہ پانی کی طرح پیسہ بہایا اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا علاج کی خاطر ملک سے باہر تک لے گئے مگر اسے یعنی کنزیٰ کو موت کے منہ سے واپس نہ لا سکے۔ اس کی زندگی ہی مختصر تھی۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر ابدی سفر پہ روانہ ہو گئی۔

رنم چار سال کی بھولی بھالی بچی تھی اسے دیکھ بھال کے لیے عورت کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت ایک گورنس اور آیا کے ذریعے پوری ہو گئی۔ رنم انہی کے زیر سایہ عمر کے مدارج طے کرتی گئی۔ احمد سیال کو لوگوں نے شادی کے لیے اکسایا پر وہ جی جان سے بیٹی کی پرورش و تربیت میں مصروف رہے۔

رنم ددھیالی رشتوں کے معاملے میں خاصی بدنصیب واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کے پاپا اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے وہ بھی عرصہ ہوا فوت ہو چکے تھے۔ رنم اپنے دادا دادی کی وفات کے بعد دنیا میں آئی۔

ہاں ننھیال میں اس کی ایک خالہ تھیں جو شادی کر کے کینیڈا میں جا بسیں تھیں ان سے فون پہ ہی رابطہ ہوتا وہ بھی کم کم۔

احمد سیال کاروباری بکھیڑوں اور کامیابیوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ پھر مڑ کر کسی چیز کی طرف بھی نہ دیکھا۔ دوستوں' ملنے جلنے والوں نے دوسری شادی کے لیے بہت اکسایا' لڑکیاں دکھائیں آنے والے وقت سے ڈرایا پر وہ اپنے ارادے سے ایک انچ نہ سرکے۔ جسمانی اور جذباتی تقاضے کنزیٰ کے ساتھ ہی مر گئے تھے۔ اب تو رنم جوان ہو گئی تھی۔ ان کے لیے وہی سب کچھ تھی۔

رنم کو انہوں نے ہر قسم کی آسائش اور آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں لڑکے لڑکیاں دونوں تھے ویسے بھی اس کا تعلق معاشرے کی جس کلاس سے تھا وہاں یہ سب برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ رنم پارٹیز اور کلب جاتی' سوئمنگ کرتی' اپنے گھر میں دوستوں کو انوائیٹ کر کے ہلا گلا کرتی۔ احمد سیال اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ انہوں نے کومل کے گھر کمبائن اسٹڈی کرنے کی اجازت بخوشی دی تھی۔

پچھلی بار سب دوستوں نے رنم سیال کے گھر رہ کر اگزام کی تیاری کی تھی۔ اس بار کومل کی باری تھی۔

☼ ☼ ☼

راعنہ گروپ کو جوائن ہی نہیں کرپارہی تھی فراز اور اشعر روز شام کو کچھ گھنٹے کے لیے آجاتے۔ ان کے جانے کی بعد کومل اور رنم پھر سے پڑھائی اسٹارٹ کرتیں پر راعنہ نہیں آتی تھی۔

کومل تو صاف کہتی کہ راعنہ کو اپنے شادی کے خیالوں سے فرصت ملے تو وہ پڑھائی کی بھی فکر کرے۔

وہ آج کل سب دوستوں کی شرارتوں اور چھیڑ کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ وہ تو مزے لے کر انجوائے کررہی تھی۔ انہیں کمبائن اسٹڈی کرتے ہوئے چھٹا دن تھا جب ان محترمہ کی شکل نظر آئی۔

کومل اور رنم نے اس کے وہ لتے لیے کہ توبہ ہی بھلی۔ اس نے کوئی احتجاج کیے بغیر کتابیں کھولیں۔ فراز اور اشعر اس کی درگت پہ مسکرانے لگے۔ کومل نے گھور کر اشعر کی طرف دیکھا تو وہیں ہونٹ سکوڑ کر سعادت مند بچہ بن گیا' پر فراز اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا رہا۔

راعنہ سنجیدہ بی بی بنی پڑھتی رہی۔ پھر کومل نے بھی حیرت انگیز شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ رات گیارہ بجے کے قریب راعنہ کے ہونے والے شوہر شہریار کی کال آئی تو وہ اپنا سیل فون لے کر کمرے کے کونے میں آگئی۔ وہ کافی آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔ "کیا کر رہی ہو؟" شہریار نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں فرینڈز کے ساتھ مل کر اگزام کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"اب سو جاؤ صبح اٹھ کر پڑھ لینا اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ اسی مہینے ہماری شادی ہے۔" اس نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو راعنہ نے چور نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھا۔ وہ سب بھی اسی کو دیکھ رہے تھے۔

راعنہ نے شہریار کو خدا حافظ بول کر فوراً" فون بند کر دیا۔ "میں سونے لگی ہوں۔" اس نے کتابیں سمیٹ کر ٹیبل پہ رکھ دیں۔

"ہاں ہاں اب تمہیں پڑھائی کی کیوں فکر ہوگی۔ آپ کے شہریار صاحب نے کہا ہوگا کہ جلد سو جایا کرو تاکہ شادی والے دن خوب صورت ترین نظر آؤ۔" کومل کا اندازہ سو فی صد درست تھا۔ راعنہ جھینپ سی گئی۔ رنم نے بڑی دلچسپی سے راعنہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پہ رنگ ہی رنگ بکھرے محسوس ہو رہے تھے۔ اس حال میں وہ اور بھی دلکش نظر آرہی تھی۔ ویسے بھی رنم اور کومل کی نسبت وہ اتنی بولڈ نہیں تھی کافی حد تک مشرقیت اس میں موجود تھی۔ جس کا اظہار ابھی بھی اس کے رویئے سے ہو رہا تھا۔

فراز صرف اس بات کی وجہ سے راعنہ کو بہت سراہتا اور وہ پھول کر کپا ہو جاتی۔ "میں کل گھر جاؤں گی پاپا سے ملنے ہو سکتا ہے واپس نہ آؤں" رنم نے بھی کتابیں سائیڈ پہ کرتے ہوئے اعلان کیا۔

"ہوں پاپا زچائلڈ۔" "پتا نہیں شادی کے بعد کیا بنے گا تمہارا۔" کومل نے گہری فکر مندی سے اسے دیکھا تو جواباً" ہاتھ میں پکڑا کشن رنم نے اس پہ اچھالا۔

✿ ✿ ✿

میں چاہوں تجھ کو میری جان بے پناہ

آئینے میں خود کو دیکھ کر بال سنوارتے ہوئے سیٹی پہ شوخ سی دھن گنگناتے وہاب بہت مسرور نظر آرہا تھا۔

روبینہ قدرے دور بیٹھی اس کی تیاری ملاحظہ کر رہی تھیں اور جی ہی جی میں کلس رہی تھیں۔ وہاب کی تیاری ابتدائی مراحل میں تھی آخر میں اس نے خود کو پرفیوم میں تقریباً" نہلا ہی تو دیا۔ روبینہ کے دل میں عجیب عجیب سے خیالات آرہے تھے۔ یقیناً" وہ زرینہ کے گھر جانے کے لیے اتنا اہتمام کر رہا تھا تب ہی تو ان کے دل میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ ان رہا نہیں گیا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بیٹے کو آواز دی "وہاب ادھر آؤ میری بات سنو۔"

"جی امی کیا بات ہے؟" وہ پرفیوم کی بوتل ڈریسنگ پہ رکھ کر ان کی طرف آیا۔

"میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے گہری نگاہ سے نک سک سے تیار بیٹے کو دیکھا۔

"جی اماں۔" حیرت انگیز طور پہ وہاب کا لہجہ پیار بھرا تھا۔ وہ لاڈ میں انہیں "اماں" بلاتا تھا۔

"کہیں جانے کی تیاری ہے؟" روبینہ کی نگاہ جیسے وہاب کو آج اندر تک پڑھ رہی تھی۔

"ہاں اماں دوستوں کے ساتھ باہر کھانے کے لیے جا رہا ہوں میری پروموشن ہوئی ہے نا اس لیے وہ سب ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا تو روبینہ کے لبوں سے سکون کی گہری سانس برآمد ہوئی۔ وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں اور بیٹے نے ان کی سوچ کو غلط ثابت کیا تھا پہلی بار انہیں اپنی سوچ کے غلط ثابت ہونے پہ خوشی سی ہوئی۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر ایک جملہ بولا۔ "ہاں اماں کریں" وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ "میں چاہتی ہوں اب تمہاری شادی ہو جائے۔ اچھا کما رہے ہو گھر ہے گاڑی ہے زندگی میں سکون ہی سکون ہے اس لیے میری خواہش

ہے کہ تمہاری شادی ہو جائے۔ تین بہنوں کے اکلوتے بھائی ہو آخر۔ ہمارے بھی تو کچھ ارمان ہیں۔"

"اماں مجھے تھوڑا اور سیٹل ہونے دیں سال چھ مہینے تک اس کے بعد شادی بھی کرلوں گا۔ میں اپنی بیوی کو زندگی کی ہر سہولت اور خوشی دینا چاہتا ہوں۔ ویسے بھی زیان ابھی پڑھ رہی ہے مجھے انتظار تو کرنا ہے۔" آخر میں روانی میں اس کے منہ سے زیان کا نام نکل گیا تو روبینہ ایسے اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

انہوں نے بہت مشکل سے اپنی اندرونی حالت پہ قابو پایا۔ "ہمارا بھلا زیان کی پڑھائی سے کیا لینا دینا۔"

"اماں مجھے زیان سے ہی شادی کرنی ہے۔" وہاب کی آنکھوں میں زیان کے نام سے ہی جگنو اتر آئے تھے۔ روبینہ کو دل کٹتا محسوس ہوا۔ ایک ثانیے کے لیے انہوں نے خود کو وہاب کی جگہ رکھ کر سوچا مگر پھر فوراً" اس کیفیت سے پیچھا چھڑایا۔

"امیر علی کبھی نہیں مانیں گے وہ اس کی شادی کم سے کم ہمارے خاندان میں کبھی نہیں کریں گے۔ اس لیے تمہیں کوئی آس لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔" روبینہ نے اسے ڈرایا مایوس کرنا چاہا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ وہ ہمارے خاندان میں زیان کی شادی نہیں کریں گے؟" وہاب نے سوال کیا۔

"ارے میری زرینہ سے کتنی بار بات ہوئی ہے۔ وہ کہتی ہے امیر علی زیان کی شادی اپنے خاندان میں اپنی مرضی سے کریں گے۔" روبینہ نے بیٹے سے نگاہ چراتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مجھے ہر صورت زیان سے شادی کرنی ہے چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ میں کروں گا" وہاب کے تاثرات میں جارحانہ پن امنڈ آیا۔ روبینہ نے دہل کر بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس کا یہ انداز اجنبی تھا بیٹے میں یہ جرات وبے خوفی انہوں نے پہلی بار دیکھی تھی۔

"کیا کرلو گے تم اگر امیر علی نہ مانے تو.... " وہ اپنے بدترین خدشات کے حقیقت ثابت ہونے کے خوف سے تھرا گئی تھیں۔

"بہت کچھ کر سکتا ہوں میں۔"

زیان 'امیر علی کی اولاد ہے ان کی مرضی وہ ہمیں رشتہ دیں نہ دیں یا جہاں ان کا دل کرے بیٹی کا رشتہ کریں۔"

"نہیں امی جہاں ان کا دل چاہے وہاں نہیں۔ میں اپنی محبت کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ اٹھالوں گا میں زیان کو۔ اس کا باپ نہ مانا تو!"

"وہاب۔" روبینہ کی آواز غصے سے چیخ میں ڈھل گئی۔ گویا ان کے بدترین خدشات سچ ثابت ہو سکے تھے۔

"بکواس بند کرو اپنی۔ کسی کی بیٹی کے بارے میں اپنے گھٹیا خیالات کا اظہار کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں۔ آخر تمہاری بھی تین بہنیں ہیں۔ سب کی عزت سانجھی ہوتی ہے۔" وہاب ان کے چیخنے چلانے کی پروا کیے بغیر گاڑی لے کر جا چکا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کے گرداب میں چکرانے لگیں۔ جن کے سپرد ابھی ابھی انہیں ان کے لاڈلے سپوت وہاب نے کیا تھا۔

اس کے لہجہ میں کوئی ڈر خوف یا لحاظ نہیں تھا' سو پریشانی فطری تھی۔

☆ ☆ ☆

ملک ایبک 'بابا جان کی بات پہ بالکل خاموش سا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر بولے جا رہے تھے۔ "معاذ کم عقل ہے اسے کیا خبر نسلوں کو چلانے کے لیے اچھی بیوی بہت مشکل سے ملتی ہے چھان پھٹک کر انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ احمد سیال کی بیٹی مجھے بہت اچھی لگی ہے۔

میں نے اسے معاذ کے لیے پسند کیا تھا پر وہ نہیں مان رہا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم ایک نظر لڑکی دیکھ لو۔ میں اس رشتے کو گنوانا نہیں چاہتا۔ احمد سیال کا خاندان ہمارا ہم پلہ ہے۔ مجھے پوری امید ہے تم انکار نہیں کرو گے۔" ان کے لہجے میں باپ والا مان اور بے پناہ توقعات تھیں۔

"ٹھیک ہے باباجان جو آپ کا حکم" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ "مگر تم بھی تو کچھ بولو۔ یہ شادی تمہارا مستقبل ہے۔"

"باباجان آپ نے فیصلہ کرلیا ہے میں اب اور کیا بولوں۔" ایبک نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے سے خفگی محسوس نہ ہونے پائے۔

ملک جہانگیر 'افشاں بیگم کے ساتھ 'احمد سیال اور ان کی بیٹی کے بارے میں بات کررہے تھے۔ "آپ نے ایبک سے بات کی تو اس نے کیا کہا؟" افشاں بیگم کا لہجہ اضطراب سے بھرپور تھا۔

"اس نے کیا کہنا تھا بس یہی کہا کہ آپ کی مرضی۔ وہ میرا سعادت مند فرماں بردار بیٹا ہے۔ معاذ کی طرح اپنی من مانی کرنے والا نہیں۔"

"معاذ کو آپ نے اتنا سر چڑھایا ہوا ہے اس کی مرضی پہ چلتے ہیں۔ ایبک بھی تو ہماری ہی اولاد ہے۔ معاذ نے انکار کردیا بغیر دیکھے اور آپ اسی رشتے کے لیے ایبک کو مجبور کررہے ہیں۔ یہ انصاف تو نہ ہوا نا۔" افشاں کی خفگی محسوس کرنے والی تھی۔

"ارے نیک بخت میں ایبک کو مجبور نہیں کررہا ہوں۔ بس اتنا کہا ہے کہ احمد سیال کی بیٹی بہت اچھی ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر وضاحت دی۔

"ایبک کی بھی کوئی پسند ہوگی جبکہ آپ اپنی مرضی مسلط کررہے ہیں۔" افشاں بیگم چڑ سی گئیں۔

"ایک ایک بار احمد سیال کے گھر میرے ساتھ جائے گا وہاں اسے کچھ سمجھ میں آیا تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔"

"وہ معاذ کی طرح منہ پھٹ نہیں ہے کہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے گا۔ آپ نے ایک بار بول دیا ہے نا اب وہ نا نہیں کرے گا۔ میرا بیٹا ہے میں جانتی ہوں اسے اچھی طرح۔ اور پتا نہیں آپ کے دوست کی بیٹی کن عادات کی مالک ہے۔ ہمارا ایبک سلجھا ہوا ذمہ دار بچہ ہے۔" افشاں بیگم کی فکرمندی ماں ہونے کی حیثیت سے تھی۔ ملک جہانگیر اب اس نقطے پہ سوچ رہے تھے۔

"میں تین چار دن تک چکر لگاؤں گا۔ احمد کی طرف اس کے کان میں بات ڈال دوں گا دیکھو پھر کیا ہوتا ہے۔ بعد میں تم سب اس کے گھر چلنا۔" وہ ابھی بھی اپنے ارادے پہ قائم تھے۔

☆ ☆ ☆

افتاں و خیزاں روبینہ صبح وہاب کے آفس جانے کے بعد سیدھی زرینہ کے گھر آپہنچیں۔ ٹیکسی کرکے آئی تھیں پر سانس ایسے پھولا ہوا تھا جیسے میلوں دور سے دوڑتی آئیں ہوں۔ امیر علی دوا کھا کے سو رہے تھے زیان اپنے کالج اور باقی سب بچے بھی اپنے اپنے اسکولوں میں تھے۔ زرینہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھیں مشہور چینل پہ ساس بہو کا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ روبینہ کو اس وقت اچانک اپنے گھر دیکھ کر حیران ہوگئیں۔ انہوں نے فون کرکے اپنے آنے کی اطلاع بھی تو نہیں دی تھی۔

"کیسی ہیں باجی آپ؟ سب خیر ہے نا؟" زرینہ نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ روبینہ کے چہرے پہ بکھرے پریشانی کے رنگ بتا رہے تھے کہ سب خیر نہیں ہے کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"میں اس وقت کسی کے علم میں لائے بغیر تمہارے پاس آئی ہوں۔" انہوں نے اضطراب کے عالم میں دونوں ہاتھ ملے۔

"آپ بتائیں تو کیا بات ہے؟" زرینہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ "وہاب زیان سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" انہوں نے آرام آرام سے الف تا ے سب واقعہ ان کے گوش گزار کردیا۔

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ زیان سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی بلاوجہ یہاں کے چکر نہیں لگتے۔ پر مجھے کسی صورت بھی یہ پسند نہیں ہے۔ میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی اندھی گونگی بہری بنی رہتی ہوں۔ وہاب پاگل ہوچکا ہے مگر میں نے اسے کہا کچھ نہیں کیونکہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ پر زیان کے ساتھ اس کی شادی کی خواہش کسی صورت بھی پوری نہیں کی جا

سکتی۔ کیونکہ میں ساری عمر ہرگز زیان کو برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں شادی کر کے اس گھر میں آئی تو پہلے دن سے ہی میرے شوہر نے مجھے اس کی اہمیت اور مقام بتایا۔ میں سلگتی کڑھتی رہی۔ امیر علی کو بیٹی بہت عزیز تھی نئی نویلی دولہن سے بھی زیادہ۔ اتنے برس کانٹوں پہ لوٹتے گزارے ہیں میں نے اب وہاب کی وارفتگی مجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے وہ دیوانہ وار اس کے لیے میرے گھر کے چکر لگاتا ہے صرف ایک نظر اسے دیکھنے کی خاطر اور وہ مہارانی سیدھے منہ وہاب سے بات تک نہیں کرتی۔ میرا خون کھول جاتا ہے 'پر وہاب کو اپنی عزت اور بے عزتی کا کوئی خیال تک نہیں ہے۔ وہ زیان کے اس اہانت بھرے رویے کو ادا تصور کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ ہرگز نہیں پتا کہ زیان مجھ سے اور مجھ سے وابستہ ہر شخص سے نفرت کرتی ہے۔ کیا آپا آپ ایسی لڑکی کو بہو بنانا پسند کریں گی جو آپ کے بیٹے کی شکل تک نہ دیکھنا چاہتی ہو۔" زرینہ کے ایک ایک لفظ میں نفرت و بے زاری تھی۔ ان کا سوال سن کر روبینہ نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے کیا پڑی ہے اسے بہو بنا کر اپنی زندگی خراب کروں ساتھ بیٹے کی بھی۔ مجھے یہ قیامت تک منظور نہیں ہے۔" روبینہ آپا کے عزم سے زرینہ کے دل میں ٹھنڈک اتری۔ ورنہ انہیں خوف تھا کہ شاید آپا وہاب کی ضد اور محبت سے مجبور ہو کر زیان اور وہاب کے رشتے کی حمایت نہ کردیں۔

"ہاں آپا کیونکہ یہ رشتہ کسی طرح بھی آپ کے حق میں مناسب نہیں ہے۔ زیان مجھ سے بدلہ لینے کے لیے آپ اور وہاب کی زندگی کو اجیرن کر دے گی۔" زرینہ نے آپا کو اور ڈرایا۔

"کچھ کرو زرینہ۔ وہاب تو پاگل ہو رہا ہے اس کلموہی زیان کے پیچھے کہتا ہے اٹھواؤں گا اسے۔ جب میں نے ڈرایا کہ امیر علی کبھی ہمیں رشتہ نہیں دیں گے۔"

"آپا آپ کی یہ بات سچ ہے واقعی امیر علی زیان کا رشتہ آپ کو نہیں دیں گے۔"

"ارے نہ دیں رشتہ مجھے اس حور پری کا رشتہ چاہیے بھی نہیں جس نے میرے بیٹے کو پاگل بنا رکھا ہے۔" روبینہ نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"آپا اس مسئلے کا حل سوچنا پڑے گا ورنہ وہاب مایوسی کی صورت میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔"

"جلدی کچھ سوچو زرینہ میرا وہاب تو پاگل ہو رہا ہے۔" "میں اس پہ غور کر رہی تھی آپ کے آنے سے پہلے۔" زرینہ کی آواز بہت دھیمی اور سرگوشیوں کی صورت میں تھی۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر نے راتوں رات احمد سیال کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے بیگم افشاں سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب وہ صبح صبح گاڑی میں سامان رکھوا رہے تھے۔ موسمی پھلوں کے ٹوکرے 'مٹھائی' خشک میوہ جات' دیگر چیزیں' حتیٰ کہ گھر کے ملازموں تک کے کپڑے بھی اس سامان میں شامل تھے۔ وہ ایبک کے رشتے کی بات چھیڑ کر احمد سیال کے دل کو ٹٹولنا چاہ رہے تھے اس لیے اکیلے ہی اس کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

چھٹی کا دن تھا احمد سیال گھر پہ ہی تھے۔ ملک جہانگیر کے ساتھ آئے ملازموں نے سامان گاڑی سے اتار کر اندر پہنچایا۔ احمد سیال ان کے استقبال کے لیے خود باہر آئے اور انہیں اندر لے گئے۔

ملک جہانگیر اپنے ہمراہ جو کچھ لائے تھے اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کا آنا بے سبب نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ ورنہ نوکروں سمیت لدھے پھندے آنا سوچنے پہ مجبور کر رہا تھا۔ ملک جہانگیر پہلے بھی ان کے گھر آتے تھے 'اور گاؤں کی سوغات خاص طور پر لاتے اور بھجواتے بھی تھے پر آج نوکروں کے ہمراہ اس طرح آنا معنی خیز تھا۔ چھٹی کے دن ان کی آمد نے اور خاص طور پہ انداز نے احمد سیال کو حیران کر دیا

تھا۔

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ ملک جہانگیر نے خیر خیریت اور دیگر احوال معلوم کرنے کے بعد فوراً" رنم کے بارے میں پوچھا۔ "وہ اپنی ایک دوست کے گھر پہ ہے کچھ دن سے۔ سب دوست مل کر امتحان کی تیاری کر رہے ہیں وہاں۔" احمد سیال نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے ماشاءاللہ۔ رنم بیٹی دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بڑی ہو گئی ہے۔"

"ہاں بیٹیوں کو بڑا ہوتے کون سی دیر لگتی ہے۔" احمد سیال مسکرائے۔

"اور بیٹیوں کو بڑا ہونے کے بعد اپنے گھر بھی وداع کرنا پڑتا ہے۔" ملک جہانگیر دھیرے سے بولے تو احمد سیال نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر رک کر ملک جہانگیر پھر گویا ہوئے۔ "میں تمہارے پاس اپنے بڑے بیٹے ملک ایبک کے رشتے کے سلسلے میں آیا ہوں۔ تم میرے گہرے دوست ہو ہم دونوں کے خاندان ہم پلہ ہیں۔ میں اس دوستی کو رشتہ داری میں بدلنا چاہتا ہوں۔ تمہاری بیٹی کو اپنی بیٹی بنا کر۔" ان کی بات پہ احمد سیال نے سکون کی سانس لی۔

"میں خوش ہوں کہ تم اس مقصد کے لیے میرے گھر آئے ہو۔ مگر میں تمہیں کوئی امید نہیں دلا سکتا۔"

"کیوں۔" یکدم ہی ملک جہانگیر پریشان ہو گئے۔

"میں نے اپنی بیٹی کو لاڈ پیار سے پالنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی آزادی بھی دے رکھی ہے۔ میں کسی بھی معاملے میں اس پہ اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔ وہ باشعور ہے' تعلیم یافتہ ہے اپنا اچھا' برا خود سوچتی ہے اور اپنے فیصلے بھی شروع سے خود کرتی آئی ہے۔"

ملک جہانگیر کے چہرے پہ مایوسی کی لہر پھیلتی جا رہی تھی جو احمد سیال کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھی۔

"ابھی تو رنم کے امتحان کا چکر چل رہا ہے وہ فری ہو لے تو میں اس کی رائے معلوم کروں گا۔ وہ مان جائے ملاقات کے لیے راضی ہو جائے تو میں تمہیں بتا دوں گا۔" احمد سیال نے ممکن طور پہ ان کی دلجوئی کرنی چاہی۔ ساتھ ہی ملک ایبک کا بھرپور سراپا احمد سیال کے تصور میں آ گیا۔ وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا۔ لیکن یہاں معاملہ لاڈلی بیٹی کا تھا جس نے آج تک اپنی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ بھی خود کیا تھا وہ اسے مشورہ دے سکتے تھے پر اپنی بات ماننے پہ مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ملک جہانگیر کو صاف آگاہ کر دیا تھا۔ کہ رنم کی مرضی ضروری ہے۔ ملک جہانگیر واپسی پہ پورے راستہ معاذ کی نافرمانی اور صاف انکار پہ کڑھتے آئے تھے۔

رنم انہیں سوفی صد معاذ کی عادات کا پرتو دکھائی دے رہی تھی۔ معاذ اسے مل لیتا اس کے خیالات سے واقف ہو جاتا تو کبھی انکار نہ کرتا۔

انہوں نے ایک کا رشتہ لے جا کر غلطی تو نہیں کی ہے کیونکہ وہ معاذ کے بالکل برعکس ہے۔ جبکہ رنم کے بارے میں جو احمد سیال نے بتایا تھا وہ ملک جہانگیر کے لیے تھوڑا سا پریشان کن تھا کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنا فیصلہ خود کرنے کی عادی ہے۔ اگر وہ مان جاتی ہے اور یہ شادی ہو جاتی ہے تو عادات کا یہ تضاد ایبک کے لیے پریشانی تو نہیں پیدا کرے گا۔ معاذ کے انکار کے بعد انہوں نے ایبک کا رشتہ لے جا کر غلطی تو نہیں کی ہے۔ وہ اپنے پریشان کن خیالات میں گھرے گھر واپس آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ملک محل" میں رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ کھانے کی ٹیبل پہ پانچ نفوس موجود تھے۔ ملک جہانگیر' احمد سیال کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔ ملک ارسلان بیچ بیچ میں سوال کر رہے تھے۔ ایبک بالکل لاتعلق بنا اپنی پلیٹ پہ جھکا کھانا کھا رہا تھا۔

"بھائی جان یہ تو بتائیں کہ لڑکی کیسی ہے؟" عنیزہ چچی نے بھی سوال کرنا ضروری سمجھا۔

"لڑکی ماشاءاللہ خوب صورت ہے یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے اس بار جب میں احمد کے پاس جاؤں گا تو بے شک تم اور ارسلان میرے ساتھ جانا۔" ملک

جہانگیر نے کھلے دل سے آفر کی۔ "ہاں بھائی جان میں تو ضرور جاؤں گی۔"

افشاں بیگم بالکل خاموش تھیں کیونکہ ان کا لاڈلا بیٹا ایبک جو خاموش تھا۔ انہیں ملک جہانگیر کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"احمد نے بیٹی کو بڑے پیار سے پالا ہے۔ اس کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شادی جیسے اہم معاملے میں بھی بیٹی کی رضامندی شامل ہو تب ہی تو اس نے کہا ہے کہ جب میری بیٹی راضی ہوئی تو میں آپ کو اپنے گھر آنے کا بول دوں گا۔ بیٹی کا باپ ہے نا۔ جوتیاں تو گھسوائے گا نا۔"

"ایبک اتنا گیا گزرا نہیں ہے کہ احمد سیال کی بیٹی کے ہاں کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ میرے بیٹے کے لیے کمی نہیں ہے لڑکیوں کی" افشاں بیگم پہلی بار بولیں۔ انہیں ملک جہانگیر کے آخری جملوں پہ بے پناہ غصہ تھا۔

ملک جہانگیر تاویلیں اور صفائی دے رہے تھے۔ ایبک کھانا کھا کر ٹیبل سے اٹھ گیا۔ افشاں بیگم نے شکوہ کناں نگاہوں سے مجازی خدا کی طرف دیکھا۔ جیسے سارا قصور ان کا ہو۔

"آپ نے ملک صاحب! اپنے دوست کے چکر میں بیٹے کی مرضی یا رائے جاننے کی ذرا بھی زحمت نہیں کی۔ جبکہ لڑکی آپ نے معاذ کے لیے پسند کی تھی معاذ نے انکار کر دیا آپ جھٹ ایبک کے پیچھے پڑ گئے۔" افشاں بیگم کمرے میں آتے ہی شروع ہو گئیں۔ کھانے کی ٹیبل پہ انہوں نے بمشکل تمام اپنا غصہ قابو کیا تھا۔ ایبک کی مسلسل خاموشی سے ان کا دل ہول رہا تھا۔

"ارے نیک بخت احمد سیال میرا پرانا دوست ہے اس کی بیٹی کو دیکھتے ہی میرے دل میں اسے بہو بنانے کا خیال آیا۔ میں نے سوچا لڑکی اور اس کا خاندان اچھا ہے معاذ نے انکار کر دیا ہے تو کیا ہوا ایبک بھی تو میرا بیٹا ہے۔" ملک جہانگیر نے حتی الامکان نرم انداز میں اپنی شریک حیات کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"آپ نے ہم میں سے کسی کو بھی لڑکی نہیں دکھائی اکیلے اکیلے ہی سب طے کر لیا۔ ایبک میرا بھی بیٹا ہے اس کی شادی میں فیصلے میں آپ کو میری رائے پہ بھی غور کرنا چاہیے۔" افشاں بیگم اپنے موقف پہ ڈٹی ہوئی تھیں۔

"اچھا ابھی کون سا میں نے شادی طے کر دی ہے صرف بات ہی تو کی ہے۔" ملک جہانگیر کا مصلحت آمیز نرم لہجہ افشاں بیگم کے اونچے پارے کو نیچے لانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"میرے بیٹے کو کوئی اعتراض ہوا تو آپ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔" وہ اس وقت ضدی بچے کی طرح ہو رہی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا۔" انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تو افشاں بیگم کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کا دن تھا۔ سب گھر پہ ہی تھے۔ زیان کی آنکھ صبح نو بجے کے قریب ہونے والے شور شرابے کی وجہ سے کھلی۔ امیر علی کی طبیعت رات سے ناساز تھی۔ انہیں تیز بخار تھا اور ابھی تک حالت ویسی ہی تھی۔ زرینہ بیگم آفاق پہ غصہ کر رہی تھیں کہ کسی ڈاکٹر کو جلدی سے لے کر آؤ۔ وہ بول بول کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھیں۔ زیان آنکھیں ملتی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ زرینہ آفاق کو باتیں سنا ہی رہی تھیں کہ خوشبو میں بسا نک سک سے تیار وہاب چلا آیا۔ انہیں غصہ تو بہت آیا پر امیر علی کی طبیعت کی وجہ سے پی گئیں ساتھ وہاب نے آتے کے ساتھ ہی ان کی پریشانی کا بوجھ بانٹ لیا۔ وہ الٹے قدموں ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔

گھر میں دو دو گاڑیاں کھڑی تھیں پر ڈرائیور کل سے چھٹی لے کر گاؤں گیا ہوا تھا۔ ہفتے کی شام وہ چھٹی لے کے جاتا اور سوموار کی صبح لوٹ آتا۔ آفاق ابھی بہت چھوٹا تھا ڈرائیونگ کے قابل نہ تھا۔ زیان کو گاڑی یا ڈرائیونگ سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ زرینہ ڈرائیور کی

عدم موجودگی میں بہت غصہ کرتیں جیسے آج آفاق پہ کر رہی تھیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ زیان جلدی جلدی منہ پہ پانی کے چھینٹے مار کر واش روم سے باہر آئی۔ آفاق کو سر جھکائے کھڑا دیکھ کر دل میں تاسف اور ہمدردی کی لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔ وہ نظر انداز کر کے ابو کے پاس چلی آئی۔ کیونکہ اس کی یہ ہمدردی آفاق کو مہنگی پڑ سکتی تھی۔ وہ زیان کے ساتھ بات بھی کر لیتا تو زرینہ کے ہاتھوں اس کی شامت آتی۔ رفتہ رفتہ زیان نے ہی بہن بھائی کو مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا۔

بخار کی شدت کی وجہ سے امیر علی بے سدھ تھے۔ زیان کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہاب اپنے ساتھ ڈاکٹر کو لیے گھر میں داخل ہوا۔ تب تک زیان اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ زرینہ اور آفاق دونوں وہاب اور ڈاکٹر کے ساتھ امیر علی کے پاس کھڑے تھے۔ وہاب نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر پورے کمرے میں دیکھا جیسے وہاں سے اچانک زیان نمودار ہو گی۔ اس کی نگاہوں کی یہ تلاش پریشانی کے باوجود زرینہ کی آنکھوں سے چھپ نہ سکی۔ نفرت میں ڈوبی زہر بھری مسکراہٹ ان کے لبوں پہ آگئی۔

"بہت جلد میں زیان کو اس گھر سے دفعان کرنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کیا کرتے ہو تم۔" ڈاکٹر امیر علی کا چیک اپ کرنے کے بعد وہاب کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ وہاب کو پلٹتے دیکھ کر زرینہ نے ایک بار پھر اپنے ارادے کو مضبوط کیا۔

☆ ☆ ☆

زیان نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ وہاب ابھی ابھی ڈاکٹر کو ڈراپ کرنے گیا تھا۔ زرینہ بیگم بھی باہر تھیں۔ زیان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی امیر علی کے بیڈ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ کمبل ان کے سینے تک پڑا تھا اور چہرا بخار کی حدت سے لال ہو رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پہ امیر علی نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے زیان کھڑی انہیں فکرمندی سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے بمشکل تمام آنکھیں کھولتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نقاہت کے سبب ان کا بایاں ہاتھ کانپ رہا تھا۔ یہ شکر کا مقام تھا کہ زیان فالج کے اٹیک کے بعد دو سال کے عرصے میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گئی تھی۔

زیان نے ان کے پاس بیٹھنے کے خیال سے جھجک محسوس کی۔ کیونکہ اسے یاد نہیں تھا کہ زرینہ آنٹی سے شادی کے بعد انہوں نے اسے اپنائیت سے اپنے پاس بٹھایا ہو۔ اب اس کے جذبوں اور دل میں خود بہ خود ہی دوری آگئی تھی۔ اس نے چاہنے کے باوجود بھی کرسی پہ بیٹھنا پسند کیا۔ امیر علی کے دل کو کسی دکھ نے جکڑا تو مارے کرب کے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"ابو کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" زیان نے اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا جو امیر علی کی اس بے بسی و بے چارگی پہ آنکھوں سے امڈنے کو تیار تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے زرینہ اچانک اندر آئیں۔

"ڈاکٹر نے آپ کو آرام کرنے کو کہا ہے۔" زیان کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ بات امیر علی سے کہی۔ ساتھ ہی زرینہ بیگم نے کمرے میں جلتی وہ لائیٹ بھی بند کر دی جو زیان کی آمد سے پہلے جل رہی تھی۔ کمرے میں اچانک ملگجا سا اندھیرا چھا گیا کیونکہ کھڑکیوں اور دروازے پہ بھاری پردے تھے۔ پھر موسم بھی ابر آلود تھا سورج کی روشنی ندارد تھی۔ آسمان پہ ڈھونڈے سے بھی روشنی کی کوئی کرن نہیں مل رہی تھی۔

زیان نے وہاں بیٹھے بیٹھے شدید ہتک محسوس کی۔ کرسی پیچھے کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد زرینہ نے سکون کی سانس لی۔ زیان اور امیر علی کی قربت انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ کسی نہ کسی بہانے زیان کو اپنے شوہر سے دور کر کے انہیں یک گونہ خوشی ملتی۔

امیر علی کے چہرے پہ چھائے دکھ کے سائے اچانک کچھ اور بھی گہرے ہو گئے۔ زرینہ اپنی خوشی میں

محسوس ہی نہ کر پائیں۔ امیر علی صرف اور صرف اس کے تھے بلا شرکت غیرے۔ زرینہ نے زیان کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔

"اب آپ کچھ بہتر محسوس کر رہے ہیں؟" زرینہ کا ہاتھ ان کے ماتھے پہ تھا۔ امیر علی کو اس وقت زرینہ کا ہاتھ کوڑیالے ناگ کی طرح ڈستا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ماتھے پر سے زرینہ کا ہاتھ ہٹا دیا۔ لیکن اب انہیں پروا نہیں تھی کیونکہ زیان یہاں کمرے میں نہیں تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ہے زرینہ۔ زیان چلی گئی ہے۔ پہلے ہی وہ مجھ سے صدیوں کے فاصلے پہ کھڑی ہے۔ تمہیں کیا ملتا ہے میری یہ چھوٹی سی خوشی چھین کر۔" امیر علی کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر ان بند آنکھوں کے پیچھے جو غصہ اور بے بسی تھی زرینہ کو اس کا اندازہ تھا۔

"میں نے اپنی محبت ' چاہت اعتبار سب کچھ تمہیں سونپا پر اس کے باوجود تمہاری تنگ دلی نہیں جاتی۔ زیان کے ساتھ تم ایسا کیوں کرتی ہو۔ کیوں بار بار اسے یہ احساس دلاتی ہو جیسے وہ میری بیٹی ہی نہ ہو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ وہ زیرو ہے میری زندگی میں۔" بولتے بولتے ان کی آواز رنج سے بھرا سی گئی۔

"ارے آپ خوامخواہ ایسا سوچ رہے ہیں میں نے کبھی اسے یہ احساس نہیں دلایا ہے۔ خون کا اثر ہے یہ۔ اس کی ماں بھی تو ایسی تھی نا۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ فضول کی سوچوں کو ذہن پہ سوار مت کریں۔" زرینہ ان کا سر دبانے بیٹھ گئیں۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

امیر علی تھک ہار کر خاموش ہو گئے۔ کیونکہ زرینہ ہار ماننے والی نہیں تھیں۔ اس کا اندازہ انہیں اپنی بیماری کے دوران اچھی طرح ہو گیا تھا اور ہو بھی رہا تھا۔ "اچھا آپ کے لیے کھانے کیا بنواؤں؟" کمرے میں چھائی وحشت ناک خاموشی کو زرینہ نے توڑنا چاہا۔

"جو مرضی بنا لو۔"

"پھر بھی آپ کا دل کوئی خاص چیز کھانے کو کر رہا ہو تو۔" وہ اصرار پہ اتر آئیں۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ جو بنا ہوا کھا لوں گا۔"

ان کی بے نیازی بدستور قائم تھی۔ "میں بوا سے کہتی ہوں کھیر بنا لے آپ کو پسند بھی تو ہے نا۔" جواباً امیر علی خاموش رہے جیسے بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔

زرینہ پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور مسکراتی کچن کی طرف آ گئیں۔ رحمت بوا وہیں تھیں زرینہ نے انہیں کھیر بنانے کا بول کر زیان کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ پر وہ سامنے کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ زرینہ کے سینے سے آسودہ سانس خارج ہوئی۔ وہ دوبارا امیر علی کے کمرے کی طرف جانے ہی والی تھیں کہ وہیں رک گئیں۔ وہاب ڈاکٹر کو چھوڑ کر واپس آ رہا تھا۔ وہ آتے ہوئے میڈیکل اسٹور سے امیر علی کی دوائیاں بھی لے آیا تھا۔ اس نے دوائیوں کا شاپر زرینہ بیگم کے حوالے کیا اور خود صحن میں پڑی کرسی پہ ڈھیر ہو گیا۔

زرینہ بیگم نے وہیں سے رابیل کو آواز دی کہ دوائیاں اندر لے جا کر رکھ دے۔ وہاب زرینہ سے باتوں میں مصروف تھا۔ بوا اس کے لیے ناشتا بنا رہی تھیں کیونکہ وہ گھر سے ناشتا کیے بغیر آیا تھا۔

اتوار کے دن اس کا خاص چکر لگتا تھا خالہ زرینہ کی طرف۔ دن کا بیشتر حصہ یہاں گزارنے کے بعد وہ شام ڈھلے واپسی کی راہ لیتا۔ آج بھی وہ اپنے پرانے معمول پہ کاربند رہا۔

صحن میں بہت ٹھنڈ تھی۔ زرینہ اور وہاب دونوں سٹنگ روم میں آ گئے جہاں ہیٹر جلنے سے خوشگوار گرمائش پھیلی ہوئی تھی۔

وہاب کی نگاہیں مسلسل کچھ ڈھونڈ رہی تھیں پر گوہر مقصود مل کے نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی بے چینی و بے قراری صاف ظاہر تھی۔ زرینہ واقف تھیں پر جان کر انجان بن گئیں۔

بوا نے ناشتا کمرے میں لا کر رکھا۔ گرم گرم پراٹھے کے ساتھ آملیٹ کھاتے ہوئے اور چائے سپ کرتے ہوئے وہاب کا دل زیان میں ہی اٹکا رہا۔

رحمت بوا نے کھانا بنایا' سب کو دیا' پھر دوسری کام والی لڑکی ثمینہ نے کچن سمیٹا' برتن دھوئے' اپنی جگہ پہ رکھے۔ بادل لمحہ بہ لمحہ گہرے ہوتے جارہے تھے دوپہر کا وقت تھا پر رات کا سماں محسوس ہونے لگ گیا تھا۔ زیان باوجود کوشش کے بھی وہاب کو نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

وہاب اس کے کمرے کے سامنے سے کتنے چکر لگا چکا تھا۔ ابر آلود موسم کی وجہ سے سب اپنے اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے۔

ایک وہی تھا جو اس سرد موسم میں اس سرد مہر لڑکی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مرا جارہا تھا۔ تھک ہار کر وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گیا اور ریموٹ کنٹرول کے بٹن خوا مخواہ دبانے لگا۔ یہ مشغلہ اکتا کر رکھ دینے والا تھا۔

آسمان سے بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور گرج کی صورت میں صدائے احتجاج بلند ہوئی تو اسے سب کچھ ہی فضول لگنے لگا۔ بارش کسی بھی وقت شروع ہو سکتی تھی وہ جیکٹ کے کالر اونچے کر کے زرینہ کے گھر سے نکل آیا۔ خالہ خدا حافظ کہنے اور چھوڑنے گاڑی تک اس کے ساتھ ہی آئیں۔ وہاب کے چہرے کی پژمردگی اور ویرانی ان کی دلی خوشی کو بڑھا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رنم نے اپنے گھر سے کچھ ضروری چیزیں لینی تھیں۔ وہ ایسے وقت آئی جب احمد سیال گھر پہ ہی تھے۔ وہ آدھ گھنٹہ پہلے ہی پہنچے تھے۔ وہ پاپا کے گلے لگ گئی۔ "پاپا میں ٹائم پہ پہنچی ہوں نا۔" وہ شوخی سے ان کی آنکھوں پہ لگے گلاسز اتار کر خود پہنتے ہوئے بولی۔

"ہاں تم اور میں دونوں ٹائم پہ آئے ہیں کھانا اکٹھے کھائیں گے۔"

اوکے پاپا میں چینج کر کے آتی ہوں ساتھ مجھے اپنے کچھ کپڑے لینے ہیں۔ واپس بھی تو جانا ہے نا۔"

"ہاں تم نے جو کرنا ہے کرو جب تک کھانا بھی لگ جائے گا۔"

"اوکے پاپا۔" وہ بال جھلاتی منظر سے ہٹی۔ کپڑے ملازمہ نے نکال کر رکھ دیے تھے اور کھانا بھی تیار تھا۔ احمد سیال اس کے انتظار میں تھے۔ "ایگزام کی تیاری کیسی چل رہی ہے؟" وہ واپس ڈائننگ ٹیبل پہ آکر بیٹھی ہی تھی کہ پاپا نے پوچھا۔

"پاپا تیاری تو اے ون ہے... آپ سنائیں مجھے مس تو نہیں کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔

"ارے روز مس کرتا ہوں پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا ہوں دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ ایک دن تمہیں اس گھر سے جانا ہی تو ہے۔" اداسی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"اوہو پاپا آپ تو ٹپیکل فادر لگ رہے ہیں۔" رنم نے ہنستے ہوئے بریانی کی ڈش سے چاول نکالے۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو شاید۔ بیٹی کے معاملے میں ہر باپ کی سوچ اور فکر مندی ایک جیسی ہوتی ہے۔ اینی وے تمہارے لیے ایک خبر ہے میرے پاس۔" احمد سیال نے بغور اس کی طرف تکتے جیسے اس کا رد عمل جاننا چاہا۔ "کیسی خبر؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میرے ایک دوست ہیں ملک جہانگیر تم نے نام تو سنا ہوگا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہمارے گھر آئے بھی تھے۔ تم سے خیر خیریت بھی پوچھی تھی۔"

"ہاں ہاں وہی انکل چوہدری ٹائپ سے۔" رنم کی بے اختیار کہی گئی بات پہ احمد سیال کو ہنسی آگئی۔

"ارے وہ چوہدری ٹائپ نہیں ہے اپنے علاقے کا بہت بڑا جاگیردار ہے۔ خیر وہ اپنے بیٹے کا پرپوزل لائے ہیں تمہارے لیے میں چاہتا تھا تمہارے ایگزام ہو جائیں تو تم سے شیئر کروں پر تم کو دیکھ کر رہا نہیں گیا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

"پاپا ابھی تو میں بہت بزی ہوں۔ بعد میں اس ٹاپک پہ بات ہوگی۔" وہ جلدی جلدی کھانا کھا رہی تھی۔

"ایزیو وش بیٹا۔" ہمیشہ کی طرح اس بار بھی احمد

سیال نے بال اس کے کورٹ میں ڈال دی۔ کم سے کم انہوں نے رنم کو اس پروپوزل کی بابت بتا تو دیا تھا۔ باقی کا بعد میں سوچنا تھا۔
رنم کھانے کے بعد زیادہ دیر رکی نہیں جلدی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

اگزام شروع ہونے والے تھے۔ درمیان میں صرف دو دن باقی تھے اور راعنہ کا دل پڑھائی میں کم اور خیالوں میں زیادہ ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی اس کیفیت کو سب ہی نوٹ کر رہے تھے۔ فراز کئی بار ڈانٹ چکا تھا۔ اشعر آیا ہی نہیں تھا۔ رنم الگ بیٹھ کر پڑھ رہی تھی۔ راعنہ کی طرح وہ بھی الجھی ہوئی تھی۔ پاپا نے پروپوزل کی بابت بتا کر اس کی توجہ منقسم کر دی تھی۔ اگر وہ اس کے اگزامز ہونے تک انتظار کر لیتے تو اچھا تھا۔ یہ رنم کی اپنی سوچ تھی۔ وہ جوانی کی حد میں قدم رکھ چکی تھی۔ لڑکوں کے ساتھ اس کی فرینڈشپ تھی اکٹھے گھومنا پھرنا، شاپنگ، پکنک، گیٹ ٹو گیدر سب کچھ ہی تو تھا پر اس نے بھولے سے بھی نہ سوچا تھا کہ شادی بھی ہو گی
"پاپا نے تو ڈسٹرب ہی کر دیا ہے۔" اس نے جھنجلا کر خود سے کہا۔
کومل نوٹ کر رہی تھی کہ اس کا پڑھائی میں دھیان نہیں ہے۔ "کیا ہوا انم۔ تم کچھ اپ سیٹ نظر آ رہی ہو؟" کومل نے اپنائیت سے پوچھا تو راعنہ اور فراز بھی متوجہ ہو گئے۔
"یار میں گھر گئی تھی۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ جیسے الفاظ جمع کر رہی ہو۔
"ہاں پھر کیا ہوا گھر گئی تھی تو...؟" فراز نے بے تابی سے پوچھا۔ کومل اور راعنہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
کچھ تو تھا فراز کے انداز میں جو خاص تھا۔ "میرے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔ پاپا بتا رہے تھے" اس نے عجیب سے انداز میں کہا تو کومل چیخ ہی پڑی۔
"کیسا پروپوزل؟" فراز نے خاصی ناگواری سے

کومل کی طرف دیکھا اس میں چیخنے کی تک نہیں تھی۔ راعنہ نے بھی ناراضی سے کومل کو آنکھیں دکھائیں۔
"ہاں یار پروپوزل۔ پاپا کے کوئی فرینڈ ہیں ان کا بیٹا ہے۔" اس نے رسان سے بتایا تو کومل نے فراز کے چہرے پہ کچھ تلاش کرنا چاہا پر ہمیشہ کی طرح ناکامی ہوئی۔
"پھر تم نے دیکھا کیسا ہے کون ہے کیا کرتا ہے؟" کومل کو عجیب سی کھوج لگی تھی "مجھے کل ہی تو پاپا نے بتایا ہے کیسے دیکھتی نہ مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم ہے۔" وہ چڑ سی گئی۔
"او اچھا اچھا ایزی رہو۔" راعنہ نے کومل کو گھورا "تم دیکھ نہیں رہی رنم ڈسٹرب ہے۔"
"اوکے میں اب کسی سے کچھ بھی نہیں کہتی" کومل نے منہ پھلا لیا۔
"مجھے اتنا ہی پتا ہے جو پاپا نے بتایا ہے۔ میں نے کوئی سوال اپنی طرف سے نہیں کیا" رنم کومل کی خفگی محسوس کر کے رسان سے گویا ہوئی۔
"کتنا مزا آئے گا نا رنم تمہاری شادی پہ" کومل کا یہ جملہ بیساختہ تھا۔ راعنہ اور فراز مسکرانے لگے۔ یہ طے تھا وہ بدلنے والی نہیں تھی۔
"پھر تم ہاں کرو گی لڑکے والے جب تمہارے گھر آئیں گے؟" کومل کی طرف سے ایک اور احمقانہ سوال آیا۔ جس کا جواب رنم نے عقل مندی اور حاضر دماغی سے دیا۔
"یہاں ساری بات میری مرضی کی ہے۔ زبردستی والا حساب نہیں ہے۔ نہ پاپا مجھے پریشرائز کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ساری بات مجھ پہ چھوڑ دی ہے۔ اگر لڑکا اس کے گھر والے مجھے پسند آئے تو بات آگے بڑھے گی ورنہ نہیں۔" اس کے لہجے کا اعتماد قابل دید تھا۔
راعنہ نے رشک سے اس کی سمت دیکھا۔ "کتنی لکی ہو تم رنم۔" فراز اس دوران خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔
کومل اور راعنہ کسی کام سے باہر آ گئیں تو رنم نے کھل کر پروپوزل کے بارے میں اس سے بات کی۔

آخر کو وہ اس کا کلوز فرینڈ تھا۔ اس نے پورے سکون سے رنم کی بات سنی مناسب مشورے سے نوازا تو وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوگئی۔ فراز ایسا ہی حساس اور مخلص دوست تھا۔ اس سے شیئر کر لینے کے بعد رنم خود کو ہر بوجھ سے آزاد محسوس کرتی۔

☼ ☼ ☼

روبینہ' وہاب کا مطالبہ سن کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔ وہاب اطمینان سے کرسی پہ بیٹھا پاؤں ہلا رہا تھا۔ روبینہ کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے سب اس کی سماعت کا دھوکہ ہو جو کچھ دیر قبل اس نے سنا۔

"امی آپ میرا رشتہ لے کر زرینہ خالہ کے گھر جائیں فوراً۔" وہ بالکل عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"تمہیں میں نے اس دن بتایا تو تھا کہ امیر علی خاندان سے باہر رشتہ نہیں دیں گے ساتھ زیان ابھی پڑھ رہی ہے۔" زرینہ سے کی گئی تازہ ترین گفتگو ان کے ذہن میں تازہ تھی وہ بھلا کس برتے پہ اس رشتے کی حمایت کرتیں۔

"انہیں زیان کا رشتہ ہر حال میں مجھے دینا ہوگا۔" وہاب کے انداز میں جارحیت تھی۔

"ان کی بیٹی ہے زیان مرضی ہے ان کی' رشتہ دیں نہ دیں اور وہ تو تمہیں پسند نہیں کرتی۔ آج تک سیدھے منہ اس نے تم سے بات تک تو کی نہیں اور تم شادی کے لیے مرے جا رہے ہو۔ حد ہوتی ہے اپنی بے عزتی کروانے کی۔" روبینہ نے اس کی سوئی غیرت کو للکارنا چاہا پر اس کا الٹا ہی اثر ہوا۔

"شادی سے پہلے سب لڑکیاں ایسی ہی ادائیں اور نخرے دکھاتی ہیں بعد میں سیٹ ہو جاتی ہیں۔ زیان کو بھی آپ اس حال میں دیکھیں گی کہ میرا گھر سنبھال رہی ہوگی۔ میرے بچے پال رہی ہوگی۔" جوش جذبات میں وہ ضرورت سے زیادہ ہی بول گیا تھا۔

"چھوڑ دے یہ خواب دیکھنا وہاب۔ میری بات مان جاؤ۔"

"امی آپ سے بول رہا ہوں نا۔ آپ زیان کے لیے جائیں گی کہ نہیں ورنہ میں اسے اغوا کر کے زبردستی نکاح پڑھواؤں گا" اگر وہ مجھے نہ ملی تو اسے گولی مار کر خود بھی مر جاؤں گا۔" وہاب کے لہجے میں مذاق کا شائبہ تک نہ تھا۔ روبینہ ماں تھیں اندر تک دہل کر رہ گئیں۔ کچھ بھی تھا وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کو خودکشی کرتے تو دیکھ نہیں سکتی تھیں۔

زیان ان کے لاڈلے بیٹے وہاب کی محبت تھی۔ وہ بیٹے کی خاطر زرینہ کے آگے جھولی پھیلانے جائیں گی۔ کیا ہوا جو زیان وہاب کو یا ان سب گھر والوں کو منہ نہیں لگاتی۔ وہ وہاب کی خوشی کے لیے یہ بھی برداشت کر لیں گی۔ اس طرح وہاب تو خوش رہے گا نا۔

وہ زرینہ کو بھی سمجھائیں گی پرانی رنجشوں کو بھول جائے آخر کو اتنے سال گزر گئے ہیں۔ کچھ بھی ہو وہ وہاب کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زرینہ کا چہرہ سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی روبینہ آپا وارد ہوئی تھیں۔ وہ حسب معمول ٹی وی پہ اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھیں جو ری ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا۔ آپا کے آنے کے بعد ڈرامے میں ان کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی تھی بلکہ انہوں نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر ٹی وی بند ہی کر دیا۔ ان کے کانوں میں تو جیسے سائیں سائیں ہونے لگی تھی ورنہ وہ تو مزے سے ڈرامہ دیکھتے ہوئے کافی کا مگ لیے وقفے وقفے سے سپ کرتے اپنے اردگرد کے ماحول تک سے بے خبر تھیں۔ اب کافی کا آدھے سے زیادہ مگ جوں کا توں پڑا تھا۔

بوا کچن میں مصروف تھیں وہ کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ زیان کے لیے سوئیٹ ڈش کے طور پہ دودھ والی سویاں بنانے کی تیاری کر رہی تھیں جو اسے بے حد پسند تھی۔ زرینہ اور روبینہ دونوں بہنیں کمرا بند کیے بیٹھی

تھیں ہلکی سی آواز تک نہ آ رہی تھی۔ روبینہ کی تین ہفتوں میں دوبارہ آمد خالی از علت نہیں تھی۔ پہلے بھی آئی تھیں تو بوا نے ان کے چہرے پہ پریشانی کے سائے ناچتے دیکھے تھے اور آج تو ان کا چہرا ایسے ہو رہا تھا جیسے کسی نے خون تک نچوڑ لیا ہو۔

"میں وہاب کی ماں ہوں پہلے اس نے کبھی میرے سامنے ایسی بات نہیں کی مجھے لگتا ہے وہ کہنے سننے کی حد سے باہر ہو گیا ہے۔ تم نے زیان کی شادی کہیں نہ کہیں تو کرنی ہے نا۔ اگر وہاب سے اس کی شادی ہو جائے تو کیا برائی ہے۔" روبینہ نے آخری جملہ بڑے رسان سے کہا پر زرینہ پہ اس کا الٹا اثر ہوا۔

"آپا کم از کم آپ سے مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی آپ کو میرا تکلیف بھرا وقت بھول گیا ہے جب امیر علی نے پہلے دن سے ہی میری نفی کی۔ اپنی بیٹی کی نوکرانی سمجھتے رہے مجھے وہ حق اور محبت نہیں دی جس کی میں توقع کر رہی تھی۔ پہلی بیوی کی بے وفائی سے اکتائے ہوئے میرے شوہر نے مجھ پہ بے جا سختیاں کیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں آپا کہ میں نے کس طرح وہ ٹائم گزارا۔ اب کہیں قسمت مہربان ہوئی ہے مجھ پہ تو۔۔۔ تو میں ہار نہیں مانوں گی۔ زیان نفرت کرتی ہے مجھ سے۔ میرے وجود کو طوہا" کرہا" برداشت کیا ہے اس نے۔ رگ رگ میں زہر ہے اس کی میں کیسے برداشت کروں گی کہ وہ باقی عمر بھی میرے سینے پہ مونگ دلتی رہے۔۔۔ آپا آپ نے بھی خوب کہی ہے وہاب اور زیان کی شادی کی۔" زرینہ سانس لینے کے لیے ذرا رکی۔

روبینہ غور سے اس کی ایک ایک بات سن رہی تھیں حالانکہ سب پرانی بار بار کی دہرائی جانے والی باتیں تھیں کچھ بھی نیا پن نہیں تھا یا کم از کم روبینہ کے لیے وہ نئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ زرینہ شروع سے ہی امیر علی کی سختیوں اور زیادتیوں کے قصے خاندان بھر کو سناتی آئی تھیں۔

اب تو سب ہی ان داستانوں کے عادی ہو گئے تھے پر پھر بھی روبینہ پوری دلچسپی سے سن رہی تھیں آخر کو زرینہ ان کی چھوٹی بہن تھی۔

"زیان نے آج تک خود سے کبھی وہاب کو مخاطب تک نہیں کیا ہے۔ سلام بھی ایسے کرتی ہے جیسے لٹھ مار رہی ہو۔ ایسی لڑکی کو ساری عمر آپ بہو کے روپ میں قبول کر لیں گی۔ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے ماں کا کچھ نہ کچھ اثر تو آیا ہو گا بیٹی میں بھی۔ آپ شوق سے اسے بیاہ لے جائیں گی اور شادی کے بعد وہ اپنے عاشق کے ساتھ آپ سب کے منہ پہ کالک مل کے چلی گئی تو۔۔۔ کیا ہو گا اس کا بھی سوچا ہے آپ نے۔ وہاب بہت اونچی ہوا میں اڑ رہا ہے منہ کے بل گرے گا۔ آپ سمجھائیں اسے۔" زرینہ نان اسٹاپ بول رہی تھیں اور روبینہ مستقبل کی تصویر کشی سے بے طرح ڈر گئی تھیں۔

حقیقت میں زیان کی بیگانگی، سرد مہری انہیں بری طرح کھلتی تھی۔ بہن کے منہ سے یہ سب سن کر انہیں دھچکا لگا تھا۔ اوپر سے اکلوتا لاڈلا بیٹا محبت جیسا روگ لگا بیٹھا تھا۔ زیان نے کہیں اور آنکھیں لڑا رکھی ہوں گی اور وہاب پاگل ہو رہا تھا اس کے حصول کے لیے۔ کسی نہ کسی طرح شادی ہو بھی جاتی ہے وہاب اور زیان کی اور کچھ عرصہ بعد وہ وہاب کو قتل کر کے اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو جائے تو پھر کیا ہو گا۔۔۔!"

اس سوال کے جواب نے انہیں لرزا کے رکھ دیا۔

"آپا آپ پریشان مت ہوں۔ میں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گی۔" زرینہ نے محبت و ہمدردی سے بہن کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "تم کیا حل نکالو گی؟"

وہ ڈوبتی امیدوں کے سرے پھر سے تھامے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"میں زیان سے بات کرتی ہوں اس کے دل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کروں گی اس نے کسی کا نام لیا تو کہوں گی جلدی اسے گھر لا کر ہم گھر والوں سے ملوائے۔ مان گئی تو جلدی دفعان کر دوں گی۔ آپ کے سر سے جلدی یہ تلوار ہٹ جائے گی۔"

"تم جو بھی کوشش کرنا وہاب کو اس کی بھنک بھی نہ پڑے ورنہ اچھا نہ ہو گا وہ بپھرا ہوا ہے۔"

"آپا میں جو بھی کروں گی پوری رازداری سے کروں گی۔ ذیان رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی تو وہاب کو یہ خبر ملے گی۔" زرینہ کے لبوں پہ پر اسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ روبینہ کے سر سے جیسے منوں بوجھ سرکا۔ آتے ہوئے وہ بہت پریشان تھیں مگر اب جاتے ہوئے ہلکی پھلکی تھیں۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے ان کا ٹکراؤ ذیان سے ہوا جو کالج سے ابھی ابھی آئی تھی۔ سفید یونیفارم اور سفید ہی دوپٹے میں ملبوس ذیان اپنی گلابی رنگت سمیت بے پناہ دلفریب لگ رہی تھی۔ کالج کا عام سا سفید یونیفارم اس پہ بے پناہ سج رہا تھا۔ روبینہ تیکھی نگاہوں سے اسے گھورتی آگے گیٹ پار کر گئیں۔ انہوں نے ایک لفظ تک نہ بولا تھا۔

آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اسے مخاطب نہ کیا ہو یا خیریت معلوم نہ کی ہو۔ کیسے اسے گھورتی ہوئی گئی تھیں۔ ان نگاہوں نے ذیان کو بیچ میں ڈسٹرب کیا تھا۔

تب ہی گھر میں داخلے ہوتے ہی اس نے بوا کو یہ بات جتانی ضروری سمجھی۔ انہوں نے ذیان کی بے پناہ حساس فطرت کی وجہ سے اس کے سامنے خاص اہمیت نہیں دی "ارے وہ اپنی کسی پریشانی میں ہوگی اس لیے تمہیں زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔ تم فوراً کپڑے بدل کر آؤ میں نے تمہارے لیے دودھ والی سویاں خاص طور پہ بنائی ہیں۔" بوا نے نہایت خوب صورتی سے وقتی طور پہ ذیان کے ذہن کو اس طرف سے موڑ دیا تھا۔ وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بوا اس کے جانے کے بعد دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں جانے روبینہ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ ذیان کے ساتھ وہ ہمیشہ اچھے طریقے سے ملتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تاحد نظر پھیلے باغ میں مالٹوں اور لیموؤں کی کھٹاس بھری مہک پھیلی ہوئی تھی۔ خوشگوار دھوپ کے ساتھ یہ مہک بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ ملک ایبک فصل کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اگلے چند روز میں اسے شہر واپس جانا تھا۔ اس بار کچھ زیادہ دن اسے گاؤں میں رکنا پڑ گیا تھا کیونکہ بابا جان پہ اچانک ہی اس کی شادی کرنے کی دھن چڑھی تھی۔ پھر وہ کافی کمزور اور بیمار بھی تھے ایبک نے ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ حالانکہ اس کی پلاننگ میں ابھی شادی شامل نہیں تھی۔

ابھی ملک جہانگیر زمینوں پہ اس کے ساتھ جانے کی ضد کر رہے تھے مگر ان کی طبیعت کی خرابی کے پیش نظر ملک ایبک انہیں ساتھ نہیں لایا تھا۔ ویسے بھی زمینوں جائیدادوں کا انتظام و انصرام ملک ایبک اور ملک ارسلان کے سپرد تھا۔

ایبک گاؤں آتا تو اپنی غیر موجودگی میں ہونے والے کاموں کا جائزہ لیتا۔ بڑے بکھیڑے تھے ایک ایک کام خود دیکھنا پڑتا۔ فیصلے کرنے کی طاقت اور اس پہ ڈٹے رہنے کی خوبی ملک ایبک میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اسی وجہ سے ملک جہانگیر اور ملک ارسلان دونوں اسے بہت پسند کرتے تھے۔ اس کی رائے اور مشورے کو اولیت دی جاتی۔

ملک ایبک کو باغ کی طرف آگے کا رخ کرتا دیکھ کر رکھوالے بھاگے بھاگے آئے۔ محبت و احترام سے اسے سلام کیا۔ جواب میں ایبک نے بھی ان کی خیریت دریافت کی۔ یہ گاؤں کی کمین کم حیثیت لوگ جنہیں چوہدری، ملک اور صاحب حیثیت زمیندار کسی گنتی میں نہ لاتے تھے ایبک ان کے ساتھ بڑے آرام سے بات کرتا اسی وجہ سے وہ ان سب میں ہر دلعزیز تھا۔ اس کی پیٹھ پیچھے بھی اسے اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا۔ یہ عام سے بے حیثیت و بے قدر لوگ اسے دعائیں دیتے نہ تھکتے۔

درختوں سے فصل اتاری جا رہی تھی نیچے زمین پہ مالٹوں کا ڈھیر جمع تھا۔ ایبک کے لیے فوراً ہی ایک کرسی اور پلاسٹک کی میز کا اہتمام کیا گیا اس کے بیٹھنے کی دیر تھی پلیٹ میں مالٹے سجا کر رکھ دیے گئے۔

ایبک ناشتا کر کے زمینوں کی طرف نکلا تھا۔ ٹائم بھی اتنا زیادہ نہیں ہوا تھا کہ اسے بھوک ستاتی پھر بھی اس نے مزارعوں کا دل رکھنے کو دو تین پھانک

کھائیں۔ وہ اسی میں خوش تھے۔ اس باغ کی دیکھ بھال الیاس اور اکرم کے سپرد تھی۔ ایک طرح سے وہ باغ کے کرتا دھرتا تھے۔ وہ ملک ایبک کو فصل کے بارے میں بتا رہے تھے۔ ذائقہ وہ چکھ چکا تھا فصل اس کے سامنے تھی جو کافی زیادہ تھی۔ یہ سب اوپر والے کی مہربانی اور زمین پہ کام کرنے والے مزارعوں کی محنت تھی۔ اردگرد کے تمام زمینداروں کی نسبت ان کی زمین سب سے زرخیز تھی اسی حساب سے غلہ اور دیگر اجناس کی حاصل پیداوار بھی زیادہ تھی۔

ایبک دل ہی دل میں اس بار کی فصل سے حاصل ہونے والی آمدنی کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس بار اس کا ارادہ تھا کہ تمام مزارعوں کو طے شدہ اجرت سے زیادہ دے گا کیونکہ زائد فصل سے حاصل ہونے والی آمدنی میں ان سب کا بھی تو حصہ بنتا تھا۔ وہ اس معاملے میں بلاوجہ ڈنڈی مارنے کا قائل نہیں تھا۔

ملک ایبک 'الیاس اور اکرم کے ساتھ فصل کے بارے میں ہی گفتگو کرتا رہا۔ واپسی پہ بصد اصرار الیاس اسے اپنے گھر لے گیا۔ گھر کیا تھا باغ کے اختتام پہ دو کمروں کا بنا مکان تھا جس کی چار دیواری کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ ایبک نے وہاں اس کی بیوی کے بنے ہاتھ کی چائے پی اور سوجی کے لڈو کھائے۔ الیاس بہت خوش تھا کہ ملک ایبک نے اس کے گھر سے چائے پی ہے۔ وہ تو کھانے کے لیے بھی بار بار کہہ رہا تھا پر اپنی وجہ سے ایبک اسے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا اس لیے سلیقے سے معذرت کر کے واپسی کے لیے چل پڑا۔

☼ ☼ ☼

زیان بستر کی چادر جھاڑ کر ٹھیک کر رہی تھی جب بیڈ روم کے دروازے پہ نامانوس سی دستک ہوئی۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی دروازے کی طرف آئی اور کھول دیا۔ باہر حیرت انگیز طور پہ زرینہ آنٹی کھڑی تھیں۔ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ اس پہ ایک نظر ڈال کر کمرے میں اندر آ کر اس کے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"کیا ہو رہا تھا؟" انہوں نے بہت اپنائیت سے پوچھتے ہوئے حیرت کا ایک اور بم اس کے حواسوں پہ گرایا جبکہ وہ ابھی پہلے سے بھی نہیں سنبھلی تھی۔ زرینہ آنٹی شاذونادر ہی اس کے کمرے میں آتی تھیں اتنی اپنائیت سے مخاطب کرنا۔۔۔ سوچنا بھی محال تھا۔

"بس سونے کی تیاری کر رہی تھی" حیرت کے پے در پے لگنے والے جھٹکے سے سنبھل کر زیان بمشکل تمام جواب دینے کے قابل ہوئی۔ "آج کل تم اپنے بیڈ روم سے باہر ہی نہیں نکلتیں' اس لیے میں خود ہی تمہارے پاس آ گئی ہوں۔" وہ اسے قریبی سہیلی کی طرح بات کر رہی تھیں۔

"بس ایسے ہی" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ زرینہ اس کی حیرت کو خوب اچھی طرح سمجھ رہی تھیں پر لمبی تمہید میں وقت ضائع کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھیں۔ اس لیے بہت جلد اصل بات کی طرف آ گئیں۔

"میں تمہارے پاس بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا۔ زیان سانس روکے جیسے ان کی طرف متوجہ تھی۔ "کہنے کو تو میں ہمیشہ سوتیلی ماں ہی رہوں گی مگر تمہاری بہتری کا فیصلہ سگی ماں کی طرح کروں گی۔" زیان نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ یقیناً" وہ ایک بہترین اداکارہ تھیں۔

"تم اس وقت مجھے اپنی ماں' دوست' ہمدرد کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔۔۔ تمہارے ابو تمہاری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے تمہارا عندیہ معلوم کرنے بھیجا ہے۔ اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو تو بتا دو۔ ہم مناسب طریقے سے تمہاری اس کے ساتھ شادی کر دیں گے۔" اف اس کی سماعتوں کے قریب جیسے کوئی بم پھٹا۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ ابو اس کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہے یا اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔

"تم پریشان مت ہو اس کا نام بتاؤ۔ تمہارے ابو کو راضی کرنا میرا کام ہے۔" زرینہ اس کے چہرے پہ تذبذب کے آثار دیکھ کر جھٹ بولیں۔

"میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتی نہ کسی سے شادی

کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے شرم و خجالت کے ملے جلے تاثرات سمیت کہا۔ زرینہ کے چہرے پہ اطمینان سا ابھر آیا گویا ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔

"تمہارے ابو رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں' ملنے جلنے والوں کو کہہ رکھا ہے جیسے ہی اچھا گھرانہ نظر میں آیا تمہیں رخصت کردیں گے۔" زرینہ مزے سے بول رہی تھیں۔

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تو کیا کروگی۔ اپنی ماں کی طرح خاندان کی عزت اچھالوگی۔" زرینہ بیگم سے زیادہ دیر اداکاری نہیں ہوپا رہی تھی اس لیے بہت جلد مصنوعی چولے سے باہر آئیں۔ زیان کے دل میں جیسے ایک تیر ترازو ہوگیا۔

"اپنی ماں کی طرح عاشقوں کی لائن لگاؤ گی مبارک ہو۔ وہاب کی صورت میں تمہیں جان لٹانے والا پاگل مل گیا ہے۔" زرینہ کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جائے وہاب۔ میں اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔" زیان بھی زیادہ دیر اپنی نفرت چھپا نہ پائی۔

"تم اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہ رہی پر وہ تمہیں پانے کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی ماں آئی تھیں میرے پاس۔ وہاب تمہیں پانے کے لیے ہر جائز ناجائز حربہ استعمال کرے گا۔"

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔" وہ جیسے پھٹ سی پڑی۔

"مجھے پتا ہے تم اسے پسند نہیں کرتیں مگر وہ صرف تم سے ہی شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے یا تمہارے انکار کی اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انکار کی صورت میں وہ تمہیں زبردستی اٹھوا کر نکاح پڑھا سکتا ہے۔ مجھ پہ یقین نہ آئے تو روبینہ آپا سے پوچھ لو ابھی کال ملا کر دیتی ہوں۔ وہ خود اس وجہ سے بے پناہ پریشان ہیں۔ میرے پاس مدد مانگنے آئی تھیں کہ کسی طرح وہاب کو اس کے اس ارادے سے باز رکھا جاسکے۔"

"میں مر کر بھی وہاب سے شادی نہیں کرنا چاہتی" آنسو زیان کی آنکھوں سے باہر نکلنا چاہ رہے تھے اس نے بمشکل انہیں پلکوں کی باڑ سے پرے سمیٹ رکھا تھا۔

"مجھے پتا ہے تمہیں وہاب ناپسند ہے۔ اس لیے میں نے روبینہ آپا کو صاف انکار کہلوادیا ہے' تبھی وہاب جنونی ہو رہا ہے۔" زرینہ آنٹی ایک کے بعد ایک روح وفرسا خبر سنا رہی تھیں۔

"مجھے نہ وہاب سے نہ کسی اور سے شادی کرنی ہے۔" اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے لال ہو رہی تھیں۔

"میری چندا' وہاب کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچنے کے لیے تمہیں کسی نہ کسی سے شادی کرنی ہی ہو گی۔" زرینہ آنٹی نے ایک بار پھر اسے حقیقت کا آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔ زیان بالکل خاموش تھی۔ اس کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ "تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں تمہارے لیے اچھے خاندان میں رشتہ ڈھونڈوں گی آخر کو تم میری سوتیلی بیٹی ہو۔" اس بار زرینہ کا لہجہ مصنوعی نہیں تھا۔ شاید زیان کی اس بے بسی و کسمپرسی پہ اسے ترس آگیا تھا۔ وہ اسے ترس آمیز نگاہوں سے دیکھتی چلی گئی تھیں۔

بہت دیر بعد اٹھ کر زیان نے دروازہ بند کیا۔ اس نے کمرے کی سب لائٹس آف کردیں کمرے میں رکھے ساؤنڈ سسٹم سے قدرے دھیمی آواز میں زرینہ بیگم کے آنے سے پہلے میوزک لگے تھا۔ ان کے آنے اور جانے کے بعد بھی وہ یکساں رفتار سے چل رہا تھا۔ اسے انسانی احساسات و جذبات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

رعلی عظمت کا آنسو۔ زیان کے دل کے کئی پرانے درد جگا گیا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی سب پردے سرکائے باہر اندھیرے میں دیکھتی بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ ساری عمر اس نے اپنی ماں کے حوالے سے طعنے الزام تراشیاں برداشت کی تھیں۔ اس ماں کے حوالے سے۔ جس کا نام لینا بھی امیر علی کے گھر میں جرم تھا۔ اپنی ماں کی شکل تک اسے یاد نہیں تھی۔

نہ ماں کی ممتا اور گود کے حوالے سے اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں کچھ محفوظ تھا۔ ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وہ "ماں" جیسے وجود سے نا آشنا تھی۔ ہاں اس کے حوالے سے دیے جانے والے طعنے تو جیسے جنم جنم سے اس کے ساتھی تھے۔ بچپن میں اس کا بہت دل چاہتا کہ وہ ماں کے پاس رہے وہ اس کے لاڈ اسی طرح اٹھائے جیسے زرینہ آنٹی اپنے بچوں کے اٹھاتی ہیں۔ پر یہ صرف اس کا خواب ہی رہا۔ امیر علی نے اسے شروع سے ہی اچھی طرح باور کرا دیا تھا کہ اپنی ماں کا نام بھول کر بھی مت لینا نہ یاد کرنا۔ ہاں زرینہ آنٹی وقت بے وقت اس کی ماں کو گالیوں، طعنوں اور الزام تراشیوں سمیت یاد کرتیں تب امیر علی انہیں کچھ نہ کہتے بلکہ خود بھی حسب توفیق گالیوں میں حصہ ڈالتے۔ زیان کے چھوٹے سے دل پہ قیامت گزر جاتی۔

اس نے شروع سے ہی ماں کے حوالے سے اتنا کچھ سنا تھا کہ اب اسے لفظ ماں سے ہی خوف آنے لگا تھا۔ امیر علی جب غصے میں ہوتے تو اسے وارننگ دیتے کہ اپنی ماں جیسی مت بننا کیا اس کی ماں اتنی بری اور قابل نفرت تھی؟ کم سے کم زرینہ آنٹی اور ابو نے اسے یہی باور کرایا تھا۔ ہاں اس کی ماں سچ مچ بری تھی، اچھی ہوتی تو اسے ساتھ لے جاتی نا۔ اگر امیر علی نے زبردستی زیان کو ماں سے الگ کر دیا تھا تو وہ اسے عدالت کے ذریعے حاصل کر لیتی نا۔ پر نہیں وہ اس کی ماں کب تھی۔ وہ تو خود غرض تھی جو اسے چھوڑ کر اپنی نئی دنیا بسانے چل پڑی تھی۔

اس کی دنیا میں ننھی زیان کے لیے جگہ نہیں تھی اور زرینہ کی دنیا میں بھی تو زیان کے لیے جگہ نہیں تھی۔

اس کا پورا چہرا آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

تنہا تنہا جیون کے
کیسے دن گزاریں
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
چلتے چلتے سوچیں کیوں ہے دوری
جائیں گے کہاں
خواہش تو نہ ہوگی پوری جائیں گے کہاں
جائیں گے کہاں جائیں گے کہاں
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
ساتھ دل کے چلے دل کو نہیں روکا ہم نے
جو نہ اپنا تھا اسے ٹوٹ کے چاہا ہم نے
اک دھوکے میں کٹی عمر ساری ہماری
کیا بتائیں کسے پایا کسے کھویا ہم نے
دھیرے دھیرے دھیرے کوئی چاہت باقی نہ رہی
جینے کی کوئی بھی صورت باقی نہ رہی
سن لو سن سکو تو تم کو آنسو پکاریں
ٹوٹے ٹوٹے جو ہیں میرے سپنے آنسو ہی تو ہیں
زندگی کا حاصل اپنے آنسو ہی تو ہیں

☆ ☆ ☆

وہ بے دلی سے چھوٹے چھوٹے لقمے توڑ کے کھانا کھا رہی تھی۔ بوا دو دن سے اس کی غیر معمولی خاموشی نوٹ کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ پہلے بھی اتنا زیادہ بولتی نہیں تھی پر ایسی گم صم بھی تو نہیں تھی جیسے اب تھی ڈری سہمی اپنے ہی خیالوں میں گم۔ بوا کو زیان اور زرینہ بیگم کے مابین ہونے والی گفتگو کا علم نہیں تھا ورنہ وہ ضروریات کی تہ تک پہنچ جاتیں۔

"زیان کیا بات ہے دو دن سے بہت چپ چپ ہو۔ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔" بوا سے رہا نہیں گیا تو پوچھ ہی بیٹھیں۔

"مجھے یہ بتائیں کہ میری ماں کو مجھ سے پیار تھا کہ نہیں؟" زیان کا لہجہ بہت سرد تھا پر بوا تو مارے خوف کے سن ہو گئیں۔ انہوں نے فوراً ادھر ادھر دیکھا کہ کسی نے زیان کا وہ سوال سنا تو نہیں۔

"زیان بیٹی اس وقت یہ خیال کہاں سے تمہارے ذہن میں آ گیا ہے۔" وہ ابھی بھی خوف کے زیر اثر بہت آہستہ آواز میں بول رہی تھیں۔ جواباً زیان عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ عجیب دیوانوں والی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے پتا ہے آپ بھی اس بارے میں بات کرتے

ہوئے ڈرتی ہیں اس لیے کبھی بھی نہیں بولیں گی آپ۔"

وہ کتنی جلدی حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔ بوا نے اس سے نظر چرالی۔ ذیان کے چہرے کی حسرت و کرب اور دکھ کا سامنا کرنا اتنا آسان کہاں تھا ان کے لیے۔

"بوا جن بیٹیوں کی مائیں انہیں ایسے لاوارث چھوڑ کر چلی جاتی ہیں نا وہ بیٹیاں پھر لوٹ کا مال بن جاتی ہیں۔ جس کا داؤ لگتا ہے جیب میں ڈال کر چلتا بنتا ہے۔"

"اللہ نہ کرے میری بچی۔ ہم سب ہیں نا تم کوئی لاوارث نہیں ہو۔" بوا کے دل کو دکھ نے جکڑا۔ انہوں نے بے اختیار لپک کر ذیان کو سینے سے لگا لیا۔ "مجھے جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلائیں۔ ابو تو خود فالج کے مریض ہیں میری کہاں حفاظت کر سکتے ہیں۔" وہ ان کی آغوش سے نکل کر دور جا کھڑی ہوئی۔ بوا کے جھریوں بھرے چہرے پہ فکر و تفکر کا جال بچھا ہوا تھا۔ نہ جانے ذیان آج ایسی تلخ تلخ باتیں کیوں کر رہی تھی۔ گہری گہری پر اسرار باتیں۔ مبہم اور الجھی ہوئی بوا کو ابھی ڈور کا سرا سلجھانے سے ڈر لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے رشتے کرانے والی ایک عورت بیگم اختر سے ذیان کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈنے کے لیے کہا تھا۔ کل وہ اسی سلسلے میں آئی تھی میرے پاس۔" زرینہ کمبل اچھی طرح اوڑھانے کے بعد امیر علی کے پاس بیٹھ گئی تھیں وہ انہیں اپنی کارگزاری بتانے کے لیے بہت بے چین تھیں پر انہوں نے تو خاص توجہ ہی نہیں دی بس خاموش رہے۔ زرینہ کو بے طرح غصہ آیا۔ "آپ کچھ بولیں تو سہی۔"

"میں کیا بولوں بھلا؟" امیر علی کے الفاظ میں بے چارگی نمایاں تھی۔

"جو رشتہ بیگم اختر نے بتایا ہے اب وہ ذیان کو دیکھنے کے لیے ہمارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔"

"ہاں تو آئیں بے شک میں نے کب منع کیا ہے۔" وہ عام سے بے تاثر لہجہ میں بولے۔ زرینہ نے توجہ نہیں دی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ امیر علی کو لڑکے والوں کے اپنے گھر آنے پہ اعتراض نہیں تھا۔

"آپ اسی ہفتے میں کوئی دن بتا دیں تا کہ میں بیگم اختر کو بتاؤں پھر وہ لڑکے والوں کو لے کر ہمارے گھر آجائیں گی۔" وہ پھر سے پر جوش ہو رہی تھیں۔

"تم خود ہی بتا دو ان کو جو دن اور ٹائم مناسب لگتا ہے۔" امیر علی نے ساری ذمہ داری ان کے سر ڈال دی۔ زرینہ کی آنکھیں مارے خوشی کے چمک اٹھیں۔ اب ذیان کو اس گھر سے دفعان ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ انہیں صرف بیگم اختر کو مطلع کرنا تھا۔ بیگم اختر نے تو لڑکے اور اس کے خاندان کی بہت تعریفیں کی تھیں۔

روبینہ بیگم کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا۔ وہ باہر لان میں تھیں۔ وہاب ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا روبینہ کا سیل فون وہیں ٹی وی کے پاس رکھا تھا۔ مسلسل بجتے فون کو اس نے ناگواری سے دیکھا اور بادل ناخواستہ ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔ وہ فون بند کرنا چاہ رہا تھا پر زرینہ خالہ کی کال دیکھ کر ارادہ ملتوی کر دیا اور فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔ "آپا آپ کہاں ہیں فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہیں؟ آپ کو ایک بات بتانی تھی۔" دوسری طرف زرینہ وہاب کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھیں ان کے لہجے میں ہیجان صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"خالہ امی باہر لان میں ہیں ایک منٹ ہولڈ کریں آپ کی بات کرواتا ہوں۔" وہاب کی آواز کان میں پڑتے ہی زرینہ فوراً سنبھل گئی اور باقی بات زبان تلے روک لی۔ شکر تھا انہوں نے کچھ اور نہیں بول دیا تھا۔

وہاب نے فون روبینہ کے حوالے کیا اور خود دروازے کے پاس ٹھہر گیا۔ زرینہ خالہ کے لہجے میں اتنا جوش اور خوشی تھی کہ وہ سبب جاننے کے لیے وہیں رک سا گیا۔ پر روبینہ تو بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے دروازے کے پاس موجود وہاب کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اس لیے ادھر ادھر کی چند

باتیں کرنے کے بعد فوراً" ہی رابطہ منقطع کردیا تھا۔ وہاب کے جانے کے بعد انہوں نے بہن سے تفصیلی بات کرنی تھی۔ انہوں نے خبر ہی ایسی دی تھی کہ زیان کو دیکھنے کے لیے ایک فیملی آرہی ہے۔ وہاب آفس کے لیے نکلے تو آپ بھی آجائیں۔

وہاب رات دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو تب روبینہ نے بہن کو دوبارہ کال کی۔ انہیں کھد بد سی لگی ہوئی تھی۔ اس وقت وہاب گھر تھا وہ کچھ بھی پوچھ نہ پائی تھیں۔ اب کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھ رہی تھیں۔

"آپا' بیگم اختر بتا رہی تھی کہ لڑکے والوں کو شادی کی جلدی ہے وہ ایک ماہ کے اندر اندر بیٹے کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔ پھر آپ کی' میری سب کی جان زیان نامی سونامی سے چھوٹ جائے گی۔" زرینہ تنفر سے بتا رہی تھی۔

"دعا کرو کہ وہاب شور نہ مچائے۔" روبینہ متفکر تھیں۔

"آپا آپ وہاب کو کچھ دن کے لیے لاہور بھجوادیں نا۔" زرینہ نے جھٹ مشورہ دیا جوان کے دل کو لگا۔

"ہاں اگلے مہینے ارشاد بھائی کے بیٹے کی شادی بھی تو ہے۔" انہوں نے اپنے دیور کا نام لیا۔

"پھر تو آپ سب کو جانا ہوگا۔" زرینہ بولیں۔

"ہاں اور وہ تمہیں بھی کارڈ بھجوائیں گے۔" روبینہ نے یاد دلایا۔ "میں تو نہیں جاسکوں گی۔ امیر علی کی حالت آپ کے سامنے ہے۔" زرینہ کا عذر سچا تھا۔ "میری کوشش ہے کہ زیان کی شادی جتنا جلدی ممکن ہو' ہوجائے۔"

"ہاں اللہ کرے ایسا ہوجائے۔" روبینہ نے صدق دل سے کہا۔ "آپ کوشش کرنا وہاب کو زیان کے رشتے یا کسی اور بات کی ہوا تک نہ لگے۔" زرینہ نے فون بند کرنے سے قبل ایک بار پھر یاددہانی کرائی تو روبینہ "ہونہہ" کہہ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆
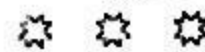
زرینہ جوش و خروش سے پورے گھر کی تفصیلی صفائیاں کروا رہی تھیں۔ وقت کم تھا کل لڑکے والے زیان کو دیکھنے آرہے تھے۔ ثمینہ نے سب کمروں کی کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے دھو کر پھر سے لٹکا دیے تھے۔ مالی نے سب پودوں کی از سر نو گوڈی کی اور گھاس پھونس صاف کی۔ گملے دھلنے کے بعد چمک رہے تھے پورے لان اور گھر کی حالت نکھر آئی تھی۔ مہمانوں کے استقبال کے لیے سب تیار تھے۔

زرینہ پورے گھر میں زیان کو تلاش کررہی تھیں۔ نیچے وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ اوپر ٹیرس پہ تھی۔ زرینہ کے گھٹنوں میں تکلیف تھی۔ سردی میں یہ تکلیف اور بھی بڑھ جاتی تھی اس لیے انہوں نے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ بوا اندر کچن میں رات کے کھانے کے لیے مٹر چھیل رہی تھیں انہیں زیان کے لیے مٹر پلاؤ بنانا تھا۔ زرینہ ان کے پاس چلی آئیں۔ بوا نے انہیں دیکھ کر مٹر چھیلنے بند کر دیے کیونکہ زرینہ بیگم کا چہرہ بتا رہا تھا وہ ان سے کوئی بات کرنے آئی ہیں اور کچھ ہی دیر میں اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔

"بوا زیان کہاں ہے؟"

"اوپر گئی تھی ابھی میرے سامنے۔"

"آپ کو پتا تو ہے کل ایک فیملی زیان کو دیکھنے آرہی ہے۔" زرینہ نے بات کی تمہید باندھی۔ "جی چھوٹی دولہن آپ نے بتایا تھا کل مجھے" تابعداری سے سر ہلاتے بولیں۔

"آپ زیان کو بھی بتا دینا۔ کل کالج سے چھٹی کر لے اور ذرا اچھے کپڑے پہن کر تیار ہو۔"

"چھوٹی دولہن میں اسے بول دوں گی پر کالج سے چھٹی نہیں کرے گی وہ۔" بوا دبے دبے لہجے میں بولیں تو زرینہ بیگم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"کیوں چھٹی نہیں کرے گی۔ میں نے لڑکے والوں کو ٹائم دیا ہوا ہے بارہ بجے کا جبکہ مہارانی زیان دو بجے کالج سے گھر آتی ہے۔" زرینہ کا پارہ ہائی ہونے لگ گیا تھا۔

"وہ کہہ رہی تھیں اس کے کالج میں کوئی ڈرامہ

ہونے والا ہے۔ وہ ادھر ہی مصروف ہے۔ اگر لڑکے والے بارہ بجے بھی آئے تو چائے پانی ناشتے باتوں میں تین چار گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔ زیان بھی دو بجے تک گھر آجائے گی۔" بوا رسان سے سمجھانے والے انداز میں بات کر رہی تھیں۔ زرینہ کا غصہ تھوڑا کم ہو گیا تھا 'پر بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔ بوا سے بات کرنے کے بعد ان کی ذمہ داری قدرے کم ہو گئی تھی ویسے بھی زیان کو بوا ہی سنبھال سکتی تھیں۔

گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی مہمان اپنے ٹائم تشریف لا چکے تھے۔ ڈرائنگ روم میں سب موجود تھے سوائے امیر علی کے۔ اونچی آواز میں گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ زیان کالج سے لوٹی تو اونچی آوازوں نے اس کا استقبال کیا'اس کی حس سماعت خاصی تیز تھی پر جو مہمان آئے تھے وہ غالباً" دوسروں کو بہرا تصور کر رہے تھے۔ اونچے اونچے قہقہے اور اسی حساب سے آواز کا والیوم بھی گونجیلا تھا۔ زیان نے بیگ جا کر ٹیبل پہ رکھا اور حسب معمول بوا کی طرح چلی آئی جو ثمینہ کے ساتھ مل کر کھانے کے انتظامات میں مصروف تھیں۔ کھانا پکنے کے آخری مراحل میں تھا بس سرو کرنا تھا۔ راحیل 'آفاق اور منال تینوں میں سے ایک بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"بوا سب کہاں ہیں؟" زیان نے بے دھیانی میں پوچھا ایک ثانیے کے لیے وہ جیسے مہمان اور ان کی آمد کا مقصد ہی فراموش کر گئی تھی۔ "بیٹا سب ڈرائنگ روم میں ہیں۔ تم جاؤ کپڑے تبدیل کر لو۔ ثمینہ نے تمہارا گلابی سوٹ پریس کر کے بیڈ پہ رکھا ہے ساتھ سینڈلز بھی ہیں۔" بوا نے لجاجت سے کہا۔

"کیوں کپڑے تبدیل کروں میں۔" وہ غصے میں پاؤں پٹخ کے بولی۔ "ابو کہاں ہیں؟" اس نے اگلا سوال کیا حالانکہ اس سوال کا جواب اسے معلوم تھا۔

"امیر میاں اپنے کمرے میں ہیں اور کہاں جانا ہے انہوں نے۔ اللہ کسی کو محتاجی اور معذوری نہ دے۔ امیر میاں کو دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ کیسے ہر کام جلدی جلدی کرتے تھے۔ ساری ذمہ داری اپنے سر تھی اور

اب خود اوروں کے محتاج ہو کر بستر پہ پڑ گئے ہیں۔" بوا کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا۔ ثانیہ چپ چاپ ان کا چہرہ تکنے لگی۔

"بیٹا کپڑے بدل کر مہمانوں سے مل لو۔" بوا نے ایک بار پھر منت آمیز انداز میں کہا تو وہ ان کی طرف دیکھے بغیر کچن سے نکل گئی۔ ثمینہ اس دوران بالکل خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔ بوا دل ہی دل میں آنے والے متوقع حالات کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ زیان شاید آنے والے مہمانوں کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھی ورنہ شور مچاتی احتجاج کرتی۔ کیونکہ بوا اس کے مزاج کی تلخی' کڑواہٹ اور درشتی سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس کی ناپسند سے آگاہ بھی تھیں تب ہی تو ڈر رہی تھیں۔ پر اس کا اندازہ شاید زرینہ بیگم کو نہیں تھا تب ہی تو خوشی خوشی مہمانوں سے باتیں کر رہی تھیں۔

زیان نے جب تک کپڑے تبدیل کیے تب تک مہمانوں کے لیے کھانا لگا دیا گیا تھا۔ اس نے سوچا پہلے اپنی پیٹ پوجا تو کرلی جائے بعد میں مہمانوں سے بھی دو دو ہاتھ کرلیے جائیں گے۔ بھوک کی وہ ویسے بھی کچی تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر دوبارہ بوا کی طرف آئی تو وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ گلابی جوڑے میں وہ بے پناہ خوب صورت لگ رہی تھی بال برش کر کے اس نے دوبارہ سنوارے تھے آنکھوں میں کاجل بھی اہتمام سے موجود تھا۔ اس نے وہیں کچن میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ زیان کو مہمان سے ملاقات کا کچھ ایسا خاص شوق تو نہیں تھا پر ان کی تیز تیز آوازوں نے تجسس بڑھا دیا تھا۔

ثمینہ کھانے کے برتن واپس لا رہی تھی 'جب اس نے سب برتن اٹھا کر ٹیبل تک صاف کرلی تب زیان مہمانوں کے دیدار کے لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" اس نے بڑی تمیز سے اندر قدم رکھتے ساتھ ہی سلام کیا تو آنے والے سب کے سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تین عورتوں اور دو مردوں کے ساتھ ایک اور لڑکا نما مرد بھی تھا۔ لڑکا نما مرد اس لیے کہ اس کی ڈریسنگ اور بالوں کا اسٹائل رکھ رکھاؤ نوجوان لڑکے والا تھا جبکہ عمر کسی طرح بھی چونتیس سال سے کم نہیں تھی۔

"یہ میری سوتیلی بیٹی زیان ہے۔ امیر علی کی پہلی بیوی کی بیٹی۔ پر میں نے اسے اپنی بیٹی کی طرح ہی پالا ہے۔" زرینہ بیگم نے بظاہر بڑی محبت سے تعارف کراتے ہوئے ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہا۔ لہجہ عام سا تھا پر لفظوں کی کاٹ سے زیان اچھی طرح واقف تھی۔

"ماشاءاللہ بہت خوب صورت ہے۔" دائیں طرف رکھے صوفے پہ بیٹھی موٹی سی خاتون نے اس کی تعریف کی۔ باقیوں کی نگاہیں بھی اس پہ مرکوز تھیں۔

"ہمیں تو بہت پسند آئی ہے آپ کی بیٹی" باقی دو عورتوں نے تعریف میں اپنا حصہ ڈالا۔ دونوں مردوں کے ساتھ ساتھ لڑکا نما مرد بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"جاؤ زیان بوا سے بولو اچھی سی چائے بنائیں۔ تم چائے خود لے کر آنا۔" زرینہ نے بڑے آرام سے اسے وہاں سے اٹھایا۔ خود زیان سب کی نگاہوں سے الجھن محسوس کر رہی تھی۔ وہ سیدھی بوا کے پاس آئی اور زرینہ بیگم کا آرڈر ان تک پہنچایا۔ "کیا بات ہے کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟" بوا سے اس کے تاثرات پوشیدہ نہ رہ سکے۔

"بوا بہت عجیب لوگ ہیں۔ عورتیں مرد سب مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔" اس کی الجھن زبان پہ آ ہی گئی۔

"چھوٹی دلہن کے جاننے والوں میں سے ہیں۔ سنا ہے اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا بھی بر دکھوے کے لیے ساتھ آیا ہے کیونکہ امیر میاں خود تو لڑکے والوں کے گھر جا نہیں سکتے۔" بوا بتا رہی تھیں۔ زیان کے کانوں سے جیسے دھواں نکلنے لگا۔

لڑکا نما مرد یا مرد نما لڑکا ہی اس کا امیدوار نظر آ رہا

تھا۔ تبھی ہی اتنا گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ بوا' زیان کے تیوروں سے خائف سی نظر آرہی تھیں۔

"امیر میاں بیمار ہیں اللہ رہتی دنیا تک ان کا سایہ تمہارے سر پہ سلامت رکھے پر زندگی بڑی بے وفا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تم ان کی زندگی میں اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو بہت ساری مشکلات سے بچ جاؤ گی۔ تسلی رکھو امیر میاں کو لڑکا اور اس کے گھر والے پسند آئے تو ہی وہ رضا مندی دیں گے اپنی۔" بوا نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کر تسلی دی۔

پر زیان کو کہاں چین آنا تھا وہ انہی قدموں کے پاس سے اٹھ کر امیر علی کی طرف آئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بستر پہ دراز تھے۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ "آگئی تم کالج سے"

"جی" وہ اپنی انگلیوں کو اضطراب کے عالم میں مسل رہی تھی۔ اس کی اندرونی کش مکش کا امیر علی کو بھی اندازہ تھا پر وہ کچھ بول نہیں پا رہے تھے۔ "ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان آئے بیٹھے ہیں تم ملی ہو ان سے؟" انہوں نے ایسے سوال کیا جیسے ان دونوں باپ بیٹی میں اس نوعیت کی بات چیت چلتی رہی ہو۔ "جی ملی ہوں۔"

"کیسے لگے تمہیں؟" اس سوال کا اس کے پاس جواب نہیں تھا اس کے گلابی چہرے پہ اداسی اور اضطراب تھا جیسے بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہو پر بول نہ پا رہی ہو امیر علی کا دل اس کے لیے دکھ اور محبت سے بھر سا گیا۔

"ادھر میرے پاس آکر بیٹھو نا" ان کے لہجے میں تڑپ تھی۔ زیان نے کرلاتی نگاہوں سے انہیں دیکھا "اب نہیں۔ جب مجھے آپ کی محبت اور اعتبار کی ضرورت تھی تب آپ نے مجھے مضبوطی نہیں دی۔ اب جب آپ خود کمزور عمارت کی طرح ڈھے گئے ہیں تو محبت اور اعتبار مجھے دینا چاہ رہے ہیں۔ جب وقت گزر چکا ہے جب جذبے اور ان کی صداقتیں میرے لیے بے معنی ہو چکی ہیں۔ آپ امیدوں کے دیے جلائے میری راہوں میں کھڑے ہو گئے ہیں۔

میری ضرورت ختم ہو گئی ہے۔" زیان یہ سب دل میں ہی خود سے کہہ سکی۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ چرچراہٹ سے کھلا۔ زرینہ بیگم مہمانوں کے ساتھ داخل ہوئیں۔

"زیان کو وہاں پا کر ایک بار پھر ان سب کی آنکھوں میں اشتیاق امنڈ آیا۔ "بھائی صاحب ہم جا رہے ہیں۔ سوچا جاتے جاتے آپ کو خدا حافظ کہہ دیں اور اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے دیں۔ کمال کو تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے اب آکر ہمارا گھر بار بھی دیکھ لیں۔"

وہی موٹی عورت تیز تیز آواز میں بول رہی تھی جبکہ کمال یعنی مرد نما لڑکے کی نگاہیں زیان کے گرد طواف کر رہی تھیں۔ باری باری سب امیر علی سے ملے۔ جاتے

جاتے وہی موٹی عورت زیان کے پاس رکی اور اس کے ماتھے پہ زوردار بوسہ دیا۔ باقی مردوں نے زیان کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ جبکہ ان میں سے ایک نے جو قدرے زیادہ عمر کا تھا اس نے کچھ نوٹ زبردستی زیان کو تھمائے۔

"زرینہ بہن جلدی آنا ہمارے گھر ہم سے زیادہ انتظار نہیں ہو گا۔" وہی موٹی عورت جاتے جاتے زیان کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پھر سے یاد دہانی کروا رہی تھی۔ جواباً" زرینہ بیگم نے بھی آنے کی یقین دہانی کروائی۔ کمال نامی موصوف نے ایک آخری بھرپور نگاہ پھر زیان پہ ڈالی۔ وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں تھی ورنہ کمال کی اس بے باک حرکت کا ضرور جواب دیتی۔ زرینہ بیگم مہمانوں کو رخصت کر کے آئیں تو بہت خوش تھیں۔

☼ ☼ ☼

زیان ہنوز ان کے شوہر نامدار کے پاس بیٹھی تھی۔ پر اس وقت زرینہ کو خاص تکلیف یا حسد کا احساس نہیں ہوا جس سے وہ پہلے دوچار ہوتی آئی تھیں۔ کیونکہ زیان کے اس گھر سے جانے میں کچھ ہی دن باقی تھے اچھا تھا امیر علی کی بچی کچھی محبت سمیٹ لیتی۔ کمال اور اس کی فیملی نے بہت ہی مثبت رد عمل کا اظہار کیا تھا۔ ویسے زرینہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کمال اور اس کے گھر والے ان سے مرعوب ہیں۔ اتنا خوب صورت گھر 'دو دو گاڑیاں' نوکر چاکر مہنگا فرنیچر' زرینہ بیگم کے پہنے ہوئے زیورات 'قیمتی سوٹ کچھ بھی تو زمانے کے موجبہ معیار کے مطابق نظر انداز کرنے والا نہیں تھا اور پھر زیان کا حسن ہوش اڑانے والا تھا۔ اتنی خوب صورت حسین کم عمر لڑکی کا تصور تو کمال نے خواب میں بھی نہ کیا تھا۔ ابھی تک اس کی شادی نہ ہو پائی تھی۔ حالانکہ پڑھائی مکمل کر کے سب ذمہ داریاں سنبھالے اسے کتنے سال ہو گئے تھے۔ اس سے بڑی تین بہنیں تھیں۔ تینوں کی تینوں زبان دراز اور واجبی شکل و صورت کی مالک تھیں۔

اللہ اللہ کر کے ان کی شادیاں ہوئیں۔ ان کی شادیاں ہونے گھر بسنے میں والدہ کی دوڑ دھوپ کے ساتھ وظیفوں کا بھی عمل دخل تھا جو وہ "وقتاً" فوقتاً" کرتی تھیں۔ اب کہیں جا کر کمال کی باری آئی تھی۔ کمال کی والدہ عفت خانم 'بیٹے کی عمر سب کو چھبیس سال بتاتی تھیں حالانکہ وہ پینتیس سال سے کم کا نہ تھا۔ ملٹی نیشنل فرم میں اچھے عہدے اور تنخواہ پہ کام کر رہا تھا۔

فی الحال اتنی ہی معلومات زرینہ بیگم کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ رشتہ بیگم اختر کے توسط سے آیا تھا انہوں نے تو بہت تعریفیں کی تھیں اور کہا تھا کہ کمال کو کوئی لڑکی نا پسند کر ہی نہیں سکتی۔ تب ہی تو زرینہ بیگم نے بالا بالا ہی بیگم اختر کو کہلوایا تھا کہ لڑکا بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ لازمی ان کے گھر آئے تاکہ امیر علی بھی اسے دیکھ لیں۔ وہ کسی بھی تاخیر کے حق میں نہیں تھیں۔ تب ہی تو کمال اپنی فیملی کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ امیر علی سے اس کی خاصی دیر بات چیت ہوتی رہی وہ اس کے کام گھر' خاندان اور دیگر حوالوں سے چھوٹے چھوٹے سوالات اس سے پوچھتے رہے۔ پر زرینہ کو امیر علی کے تاثرات سے کمال کے بارے میں پسند و ناپسند کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

ان کا بس چلتا تو زیان کو ہاتھ پکڑ کر کمال کے گھر چھوڑ آتیں۔ پر امیر علی کی وجہ سے ایسا سوچنا بھی کار محال تھا۔ آخر کو زیان ان کی "لاڈلی بیٹی" تھی۔ وہ دفعان ہو جاتی تو زرینہ بیگم سکھ کا سانس لیتیں۔

اس کا کانٹا ہی نکل جاتا جو اتنے سالوں سے دل میں پیوست چبھ رہا تھا۔

زرینہ بیگم کرسی اٹھا کر امیر علی کے بیڈ کے پاس رکھ کر خود بھی بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ایک نظر امیر علی کے دائیں طرف بیٹھی زیان کو دیکھا اور دوسری نظر اپنے مجازی خدا پہ ڈالی جو ہاتھ سے اپنی کنپٹی سہلا رہے تھے۔

"زیان اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے تمہارے ابو سے بات کرنی ہے۔" زرینہ نے رخ ہلکا سا موڑ کر زیان کو دیکھتے ہوئے تحکم آمیز لہجہ میں کہا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼